پانچ روپیہ کی کتابیں یکمشت منگائیے اس صورت میں محصول آپ سے نہیں لیا جائے گا

غالب بک ڈپو دہلی

مشہور مصنفین کی مفید اور دلچسپ کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ

سو روپیہ کی کتابوں پر پچیس روپیہ کمیشن دیے جائیں گے۔

حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کی فرانسیسی طرز کی مقبول عام تصانیف

سفرنامۂ مصر و شام	عہ
سفرنامۂ ہندوستان	۱۲ر
روزنامچہ ۱۹۲۴ء	عہ
میلاد نامہ	مہ
محرم نامہ	مہ
یزید نامہ	ہہ
تاریخ سلاطین عباسیہ	ہپ
طمانچہ بر رخسار یزید	۔ر
محفل نامہ گیارہویں شریف	۱۲ر
کرشن بیتی	ہپ
آپ بیتی	ہہ
لاہوتی آپ بیتی	۲ر
سی پارۂ دل	عہ
اردو سکھانے کے مضامین	۶ر
اتالیق خطوط نویسی	ہہ
چٹکیاں اور گدگدیاں	۱۲ر
غدر دہلی کے افسانے گیارہ حصے	لعہ
بیوی کی تعلیم	ہہ
بیوی کی تربیت	مہ
اولاد کی شادی	مہ
جگ بیتی کہانیاں	۱۰ر
بچوں کی کہانیاں	۱۰ر
قرآن آسان قاعدہ	۸ر
تعلیم القرآن	۸ر
اردو سبق	۸ر
دس سبق	۳ر
اولاد کے کان میں کہنے کی باتیں	۶ر
کم ٹو موت	مہ
اسلام کا انجام	۶ر

اسرار	۶ر
امام الزماں کی آمد	۱۰ر
تسکین احساس	۸ر
گاندھی نامہ	۸ر
سیر دہلی	۱۲ر
دلی کی عیدیاں	۵ر
تاریخ سلاطین دکن	۸ر
دوائیں اور دعائیں	۵ر
تاریخ مسیح	عہ
مجالس حسنہ	۱۰ر
خواجہ معین الدینؒ	۸ر
درویشی مولود	۸ر
آئینۂ حقیقت نما	عہ
شامی جہاد	ہپ
فاطمی دعوت اسلام	ے
شراب اور جوئے کی خرابیاں	۴ر
انسداد گداگری	۴ر
قرآن مجید کے بارہ موتی	۸ر
نظم المعراج	۸ر
دست غیب	۳ر
لڑائی کا گھر	۶ر
قبروں کے غیبی نوشتے	۴ر
اوراد و وظائف جہاں گشت	۱۰ر
پرندوں کی تجارت	۸ر
ہندو مذہب کی معلومات	۸ر
تین شہید	۳ر
لے دور کا اسلام	۱ر
شیطان کا طوطا	۲ر
پڑوس کے پاجی	۲ر

علامہ راشد الخیری

صبح زندگی	ہپ
شام زندگی	ہپ
شب زندگی ۲ حصے	عہ
نوحۂ زندگی	۱۲ر
طوفان حیات	۔ر
جوہر قدامت	ہپ
یاسمین شام	ہپ
عروس کربلا	ہپ
محبوبۂ خداوند	۱۲ر
منازل السائرہ ۲ حصے	عہ
بنت الوقت	۸ر
سراب مغرب	۸ر
الزہرا	۱۲ر
امت کی مائیں	مہ
ستونتی	۸ر
تائید غیبی	۸ر
فسانۂ سعید	۸ر
درِ شہوار	۱۰ر
ماہِ عجم	ہپ
سوکن کا جلاپا	۶ر
رویائے مقصود	۱۰ر
سات روحوں کے اعمال نامے	۸ر
آفتاب دمشق	ہپ
سمرنا کا چاند	ہپ
موودہ	۸ر
انگوٹھی کا راز	۸ر
سنجوگ	۱۰ر
تیغ کمال	ہپ
روداد قفس	۸ر

مولانا ڈپٹی نذیر احمد مرحوم

مراۃ العروس	مہ
بنات النعش	مہ
توبۃ النصوح	مہ
محصنات	ہہ
ایامیٰ	ہہ
رویائے صادقہ	ہہ
ابن الوقت	ہہ
مواعظ حسنہ	ہہ
مطالب القرآن	ہہ
اجتہاد	ہہ
الحقوق والفرائض کامل	صہ
حیات نذیر	ے
منتخب الحکایات	۸ر
رسم الخط	۴ر
نصاب خسرو	۴ر
مبادی الحکمت	مہ
مایغنیک فی الصرف	۱۴ر
چند پند	۸ر
صرف صغیر	۶ر
دہ سورہ مترجم	۱۰ر
ادعیۃ القرآن	۱۰ر

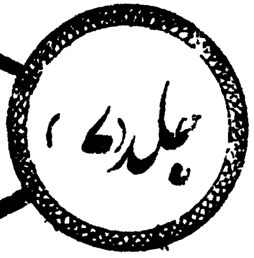
علامہ شبلی نعمانی مرحوم

الفاروق	ہپ
المامون	مہ
الغزالی	مہ
الہارون	ہپ
سفرنامۂ مصر و روم و شام	مہ

ولادت بدھ



پیمانہ



جنوری

قیمت سالانہ	صفحۂ تعارف	دوسرے ممالک سے
ذریعہ منی آرڈر [illegible] ذریعہ وی پی [illegible]		ذریعہ منی آرڈر (۶) چھ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جرعات

آغازِ جدید

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق ……… سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے
پھر جمع کر رہا ہوں دلِ لخت لخت کو ……… مدت ہوئی ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

رات جب گذر جاتی ہے تو صبح درخشاں ہوتی ہے اور راحتِ خواب سے ہمکنار ہو چکنے والے پھر زندگی کی تگ و دو میں مصروف ہو جاتے ہیں چڑیاں رات بھر سبز پتوں کی پناہ میں بسیرا لیتی ہیں مگر سورج کی پہلی کرن کے نکلنے سے پہلے خالقِ حیات کی بارگاہ میں نغماتِ عبودیت پیش کرتی ہیں۔ اسی طرح ہر خواب کے بعد ایک بیداری، ہر خاموشی کے بعد ایک ہنگامہ، ہر ہنگامے کے بعد ایک سکون اور ہر سکون کے بعد پھر ایک ہنگامہ ہے، یعنی فطرت نے انقلابات کی تہوں میں نظامِ حیات مرتب کیا ہے۔

اسی نظامِ عالم کے تحت میں آج جمود و کسل کی ورنی قبا، تار کر پھر منظرِ عام پر حاضر ہوا ہوں، اس مرتبہ کی حاضری اپنے اندر ایک جمیل و جلیل شان رکھتی ہے، آج "پیمانہ" جس میکدۂ ادب سے صلائے مستانہ دینے کے لئے طلوع ہوا ہے وہاں ایک طرف اردو شاعری کا خدا غالبؔ جلیل، اپنی فردوسی بارگاہ میں "مصروف یک گونہ بیخودی" ہے دوسری طرف اردو شاعری کا آدم، ذوقؔ اپنی روحانی خوابگاہ میں آرام فرما ہے، ایک جانب وہ قلعہ معلّی ہے جہاں اسلامی سلطنت نے آخری ہچکی لی، اور جہاں "دوشیزۂ اردو" کا گہوارۂ تخلیق اب تک جنبش میں ہے، سامنے مسجد کا بلند اور عظمت مآب مینار ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بلند قامت فرشتہ منجمد ہو کر رہ گیا ہے یا تجلی نے شکل اختیار کر لی ہے۔ چاندنی میں مسجد کے برج مرمریں پر مینار کا گہرا سایہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "ہما" پر پھیلائے کسی چشمہ پر پانی پی رہا ہے۔

میکشانِ ادب کے طعنہ ہائے تشنگی سن رہا ہوں، جواب کیا دوں؟ جبکہ کیف کی زیادتی سے میں خود بھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ دورِ پیمانہ کیوں رک گیا تھا۔ بہر کیف "نعرہ ہائے مستی" سے مجبور ہو کر پھر "ساغر و پیمانہ" پر ہاتھ جاتا ہے اور وہ شرابِ ادب، جس کے ایک ایک قطرہ میں "غالبؒ"، خیامؒ، حافظؒ، گوئٹے، شیلے، ورڈزورتھ، نامق کمالؒ، ابونواسؒ، آزادؒ، نظیرؒ، میرؒ اور داغؒ کے میخانۂ حقائق

اور میکدۂ جذبات کی اسرار برسا نیوالی مستیاں جھلک رہی ہیں - پھر عالم پر جھڑکی جاتی ہے دیکھنا یہ ہے کہ کتنے ہوش میں رہتے ہیں اور کتنے بہکتے ہیں - جس نے "وقار ہوش" قائم رکھکر پھر جامِ طلب کیا، اس نے گویا ساقیِ ازل کے ہاتھ پر کیفیت بوسہ ثبت کر دی - اور جو بہکا وہ مردود ہوا -

---

"زندگی" ایک مسلسل بیخودی اور شورشِ کیف و کم کا نام ہے، مصیبت اور پریشانی کا زمانہ عہدِ کسل کی حیثیت رکھتا ہی، جب ایک عادی خمر کو دورِ عالم میں تقدیر ساغرِ تہی دکھاتی ہے تو وہ خمار سے جماہی لیتا ہے اور چپ ہو جاتا ہے - ایسے موقع کے لئے میں کہتا ہوں

ہے یہ ایک کیف آفریں ہمدمِ رفعِ کسل کی
لذتِ مے یاد کر لے سرگراں ہونے کے بعد

اگست ۱۹۲۸ء کے بعد لاہور سے واپس ہو کر ایک مسلسل سرگرانی رہی مگر میں "لذتِ مے" کی یاد میں رہا - اس فلسفۂ رنگین کی عملی کامیابی کا ثبوت یہ ہے کہ میں اس شہرِ کسل کی فصیلوں کو پھاند کر شاداب میدانِ عمل میں پھر کود پڑا ہوں - خوف یہ ہے کہ "ساقیِ ایام" پھر کہیں مجھے اتنی نہ پلا دے کہ سرگراں ہو جاؤں، اور پیمانہ ہاتھ سے چھوٹ پڑے،

پیمانہ کا سب سے پہلا دور دارالسلطنت اکبرآباد سے شروع ہوا پھر اسکی گردش دارالسلطنت لاہور تک پہونچی اور اب اس کے نشاۃ ثالث کا افتتاح دارالسلطنت دہلی کی فضاؤں میں ہو رہا ہے -

دارالسلطنت دہلی سے **پیمانہ** کا اجرا ایک نہایت شاندار اور پرکیف بات ہی - مرکزِ زبان اور قدرِ زباندانی سے ایک ادبی رسالہ کی اشاعت جسقدر موزوں ہو سکتی ہے اُسے کون نہیں جانتا - خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اتنے بڑے دارالسلطنت سے جس کا وجود "ہندوستان" سے تعبیر کیا جاتا ہے ایک سے زیادہ ادبی رسالہ شائع نہیں ہوتا -

دہلی کی فضاؤں میں جذب کشش کا مادہ کافی سے زیادہ ہے - مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی "الہلال" اور "البلاغ" کو دہلی سے شائع کرنا چاہتے تھے - نیاز فتحپوری "نگار" کو دہلی لانا چاہتے تھے یہ حضراتِ گرامی تو سوچتے ہی رہ گئے مگر اتفاق سے مولینا سیماب مدظلہ کو دہلی آنا پڑا، ان کا سفر مقدرات سے متعلق ہے فطرت کو منظور یہ تھا کہ **پیمانہ** از سرِ نو بادۂ ادب کی کشید کے لئے دہلی کی مبارک اور تاریخی فضا سے شائع ہو - اُس تاریخی فضا سے جہاں مطلعِ حیات سے ہزاروں آفتاب پیدا ہوئے اور جنکی بے شمار تجلیوں نے ایک ساتھ جگمگا کر چشمِ کائنات کو خیرہ کر دیا -

---

ایک ایسے موزوں مرکز سے جہاں ادب اردو کے تحفظ کا ہمیشہ امکان رہا ہے **پیمانہ** کا اجرا میرے خیال میں بامعنی ضرور تھا میں ایک ایسے ادبی دارالسلطنت میں بیٹھکر جہاں اردو پیدا ہوئی، جہاں ہمیشہ اردو کی حکمرانی رہی، جہاں اب بھی اردو صوبہ کی زبان

ہے جو اب بھی دارالسلطنت ہے، اور جہاں اب بھی جلیل القدر مشاہیر شعرا اور انشا پرداز موجود ہیں، پیمانہ کو گردش دے رہا ہوں۔

دہلی ادب اردو کی ہر زمانے میں اشاعت کرتی رہی ہے اور اس میکدۂ ادب سے ہمیشہ وہ شراب پیش ہوتی رہی ہے جو "انقلابِ کیف جدید" کی تعمیر کا باعث ہوئی اور جس نے موجودہ نسلوں کے ضمیر میں جذب ہو کر سرورِ حیات کو ایک مخموری دوام میں تبدیل کر دیا۔

کیا اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ کبھی اس "دارالادب" میں میرؔ، ہوؔ، ذوقؔ، غالبؔ، اور داغؔ اور مسیحؔ جیسے عظیم الشان ادیب نے جھوم جھوم کر اپنے مستانہ نغموں سے کائنات کو ایک گہرے نشہ میں ڈبو دیا تھا، اور جہاں آج تک غالبؔ کی روح کا وجدان ہواؤں میں خوشبو پیدا کرتا معلوم ہوتا ہے۔

کیا تم کہہ سکتے ہو کہ میرؔ کے آنسوؤں سے دہلی کی خاک خشک ہو گئی ہے؟ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ غالبؔ مَلک بردوش کا قہقہۂ مستی وہ قہقہۂ مستی جس میں کائنات اور فلسفۂ حیات کی روح ناچتی ہوئی معلوم ہوتی تھی خاموش ہو گیا ہے؟

ہاں تم یہ نہیں کہہ سکتے، اور اگر کہہ سکتے ہو تو یہی کہ میرؔ کے آنسوؤں سے پہلے صرف دہلی کی خاک نم آلود تھی، آج تمام ہندوستان کی زندگی بھیگ گئی ہے۔ کبھی غالبؔ کے قہقہۂ مستی میں کائنات اور فلسفۂ حیات کی روح ناچتی ہوئی معلوم ہوتی تھی اب کائنات اور زندگی خود ایک مسلسل رقص میں محو ہو گئی ہے۔ اور ہر دل میں مے کشی کے لئے اک کعبہ بن گیا ہے جس میں ضمیر اور روح سجدہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ دہلی کی خاک سے بہت سی عظیم المرتبت ہستیاں پیدا ہوئیں جن کے کمال کے آگے اور جن کے علمی و شعری اور روحانی اقتدار کے سامنے دنیا نے اپنا سر خم کر دیا۔

ڈپٹی نذیر احمد سا ناثر، مولینا آزادؔ سا ماہر ادب اور سید سا مدبر حیات اسی خاک سے پیدا ہوا جس نے عین اسوقت جبکہ قوم موت گمنامی اور تباہی کے غار میں گر جانا چاہتی تھی، جبکہ قوم کا مرض لاعلاج ہو گیا تھا، جبکہ ملت کا شیرازہ بکھر جانا چاہتا تھا اور جبکہ مسلمانوں کا تمام تر مستقبل حال کی نزاکت کے ساتھ ساتھ تاریک ہو جانا چاہتا تھا ایک ایسی مشعلِ علم روشن کی جس سے زندگی کی شاہراہ نظر آنے لگی، ایک ایسا نظام مرتب کیا جس نے ملت کے شیرازہ کو منضبط کر دیا، ایک ایسا نسخہ تجویز کیا جس نے آبِ حیات سے زیادہ کام کیا، اور قوم کو گرنے تباہ و برباد ہونے سے بچا لیا، وہ دنیا کے سامنے ناچا، رویا، ہنسا، گڑگڑایا، بڑبڑایا اور آخرکار ایک ایسی تعمیر عظیم کا سنگ بنیاد رکھ گیا جس سے قوم کی ہمیشہ ترتیب اور تنظیم ہوتی رہیگی۔

شب کو محفل ناؤ نوش میں پی پلا کر بیخودی کی گود میں سو گئے دن چڑھے تک سوتے رہے۔ آخر ایک بیداری کی روشنی سے منور تمازت نے مخمور روح کو جھنجھوڑا جیسے ہی آنکھ کھلی ایک نئے آفتاب کی شعاعوں نے نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔

یہ ایک نئے آفتاب ادب کی شعاعیں تھیں جن کی روشنی براہ راست روح کی گہرائیوں میں اُتری چلی جا رہی تھی۔

مخموروں نے جب ایسی عجیب تنویر اپنی روح دل و دماغ اور ذہنیت میں محسوس کی تو ایک ساتھ گھبرا کر اُٹھ بیٹھے معلوم ہوا کہ یہ شعاعیں کسی دائرۂ آتشیں سے نہیں آرہی ہیں بلکہ ایک سرِ ذی روح "ایک پیکرِ مقدس" کے جمال و جلال سے بھری ہوئی طلعت سے پھوٹ رہی ہیں یعنی دہلی کی مردم خیز سرزمین نے ایک نیا وجودِ گرامی پیدا کیا ہے۔

بےکیفی فنا ہو گئی، بےہوشی غائب ہو گئی، پُرسکون سرور ہر شخص پر طاری ہو گیا اور "ایوانِ ادب" میں انشاپردازی کا نیا خوشنما تاج

ادیب المشائخ سیدی حضرت خواجہ حسن نظامی مدظلہ العالی

کے سر پر رکھا گیا۔ ادبی حکمرانی شروع ہو گئی اور جلالت مآبی نے دارالسلطنت میں بیشمار ادبی آفتاب پیدا کر کے ان کی کرنوں سے سارے ہندوستان کو جگمگا دیا دہلی میں اسوقت حضرت خواجہ صاحب کی صرف ادبی شخصیت ہی کارفرما نہیں ہے۔ بلکہ انکے مبارک خیالات انکے روحانی جذبات اور انکے مقدس احساسات انکی روح کی پاکیزگی، اور انکی ہستی کی بلندی کی کافی سے زیادہ روشن دلائل ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب کا "لٹریچر" روحانیت، لطافت، طمانیت اور حقائق سے لبریز ہوتا ہے۔ ایک مدہوش مےکشِ ادب "ساقیِ ادب" کے محاسن اور کیفیات کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب میری رائے اور تبصرہ سے بہت بلند ہیں۔ اتنے بلند کہ ہر شخص انہیں دیکھ نہیں سکتا۔

مقامی ادیبوں اور شعراء میں مولینا راشد الخیری، خان بہادر میر ناصر علی خاں صاحب مدیر "صلائے عام" جناب خلیقی دہلوی، نواب سراج الدین خانصاحب سائل، مولینا وحید الدین خانصاحب بیخود، مرزا حمید العد بیگ صاحب ماہر مدیر "راسخ"، مولانا ناصر مدیر "شعلہ"، جناب مہاراج بہادر برق بی اے حضرت رونق دہلوی، پنڈت امرناتھ صاحب ساحر دہلوی اور خان بہادر حضرت مضطر دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولینا راشد الخیری کا تمام تر ادب نسوانیات کے محاسن معائب ہندوستانی معاشرت اور اخلاق کے تاریک اور روشن پہلوؤں کی ایک بہترین تصویر ہے انکے افسانوں میں ایک نمایاں ٹریجڈی ہوتی ہے اور بیحد زور ہوتا ہے۔ میں انہیں ہمیشہ "غم نگار" کہتا رہا ہوں لیکن وہ "مصورِ غم" بھی ہیں۔ میر ناصر علیخاں صاحب دہلی کے ان بزرگ اور محترم ہستیوں میں سے ہیں جو اپنے بعد ہر دل میں کمالات کے جذبۂ اعتراف کو محفوظ کر جائینگے۔ میر صاحب کا طرز تحریر جیسا کہ میں عرض کرنیکی جرأت کر سکتا ہوں ہندوستان میں سب سے جدا اور مخصوص ہے، اور ایک ایسی لذت سے مملو ہے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مولینا خلیقی دہلوی ادب لطیف کے بہترین اور ایک گوہر گراں مایہ ہیں، وہ ہمیں سب سے الگ مسرت اور عشرت جذبات کا درس دیتے ہیں۔ ان سب کے بعد ایک ہستی دہلی میں اور ہے سید عزیز حسن صاحب بقائی مدیر "پیشوا"۔ بقائی صاحب شاہراہِ حیات کے انتہائی نشان ہیں ان کی تحریروں میں "شوخی" اور "حسنِ گہی" پایا جاتا ہے، اور وہ اکثر قوم فروش لیڈروں، ریاکار مولویوں اور جھوٹے صوفیوں کے متعلق بہت بہت اچھے مضامین لکھتے ہیں جن میں صداقت کا ایک بڑا حصہ ہوتا ہے۔

دہلی کے جن مقتدر شعراء کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں، ان میں سے اکثر ہی نے متقدمین اساتذۂ دہلی کا نام روشن کر رکھا ہے، اور بعض نے اس منزل سے بلند ہو کر دنیا کو نئی دعوت دی ہے۔ بہرکیف سب حضرات اپنے اندر صلاحیتِ ادب کے خزانے رکھتے ہیں۔

حضرت سائل مولانا بیخود اور امرناتھ صاحب ساحر مغتنمات سے ہیں جسطرح چودھویں رات میں آسمان جگمگاتے ستاروں سے جگ مگ،

جگ مگ کرتا ہے اسی طرح آجکل دہلی کا آسمان ادب بھی مختلف انوار سے لبریز چاند ستاروں سے ایک فردوس نور بنا ہوا ہے۔ میرا مقصد اس اجتماعِ ادبی سے ہے جو دہلی کی علمی و ادبی فضاؤں میں زمانے کے اتفاقات سے نظر افروز ہے۔

یہ دہلی کی خوش قسمتی ہے یا دہلی کو آباد کرنے والوں کی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ شاید یہ کہنا مناسب ہو۔ کہ اس حسنِ اتفاق میں دونوں کی خوش نصیبی شریک ہے۔ کیونکہ جب کوئی معزز قافلہ کسی مشہور شہر میں اترتا ہے تو اس شہر کا قیام اسکے لئے افتخار بخشنے والا ہوتا ہے۔ اسی طرح شہر کے لئے بھی معزز قافلے کا قیام کرنا اعزاز اور مسرت کا باعث ہوتا ہے۔

آجکل دار السلطنت دہلی میں ہندوستان کے اچھے اچھے ادیب اور شاعر حسنِ اتفاق سے جمع ہو گئے ہیں۔ جن میں سے اکثر ملک کے مستند اور مشہور ترین ادبی طبقے سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ مولٰینا محمود الحسن صاحب محمود اسرائیلی رکن ادارۂ "ہمدرد"، پروفیسر سید وجاہت حسین عندلیب شادانی ایم اے سید ذوالفقار علی بخاری بی اے، پروفیسر محمد اکبر خاں صاحب اکبر حیدری، ڈاکٹر سعید احمد صاحب سعید بریلوی، سید ظہور احمد صاحب وحشی شاہجہانپوری مدیر تجلی، پیارے لعل شاکر میرٹھی سابق آڈیٹر ادیب۔ حضرت آثم، جناب تائب اور جناب مولانا مفتی شوکت علی فہمی میرٹھی مدیر "ثقافت" "دین و دنیا" نمایاں طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ ان حضراتِ گرامی کی ادبیات اور شاعری کے متعلق کیا عرض کروں، ان میں سے بعض حضرات اردو ادبیات کے مستند و ممتاز استاد ہیں اور باقی اپنی اپنی جگہ ایک خاص ادبی شخصیت کے حامل ہیں جس شہر میں اتنا عظیم ادبی اجتماع ہو وہاں ادبی اتحاد اور ادبی کاموں کو انجام دینے کے لئے ایک بزم ادب کی فطری طور پر ضرورت ہونی چاہیئے چنانچہ دہلی میں ایک "بزم اردو" بھی قائم ہے۔ جس کے سکرٹری میرے دوست حضرت اکبر حیدری ہیں اور جنکی مساعی جمیلہ سے بزم میں دن بدن استحکام پیدا ہونیکا امکان پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی مجھے اکبر صاحب سے شکایت ہے کہ اتنے بڑے اجتماعِ ادبی کے ہوتے ہوئے "بزم اردو" کی زندگی کا کوئی نمایاں ثبوت نہیں دیا جا رہا۔ ممکن ہے کچھ خارجی موانعات اس کا سبب ہوں۔ بہرکیف میری ذاتی آرزو ہے کہ دہلی میں ایک ایسی "مرکزی ادبی قوت" مرتب ہو جائے جو تمام ہندوستان میں کام کرے اور اپنے ادبی اقتدار سے اردو کے تہی "دامن" کو کامیابی کے قیمتی موتیوں سے لبریز کر دے۔

ان تمام بزرگوں اور احباب کی موجودگی میں "پیمانہ" کا دورِ ثالث اگر بعض نئی کیفیتوں کا حامل ہو تو کچھ عجیب نہیں ہے بہرحال پیمانہ اپنے گزشتہ دور سے زیادہ کامیاب طریقے سے اس مرتبہ ہندوستان کی ادبی دنیا اور ادبی مذاق رکھنے والوں کی خدمت کرنے کی کوشش کریگا اس کے مذاق میں بہت کچھ ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ ملک اسکی پذیرائی میں کشادہ دلی سے کام لیگا۔

آخر میں میں اپنے خدا سے جو میرے ارادوں پر حکومت کرتا ہے، دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے عزمِ راسخ اور استقلال کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ اور میرے قلم میں باطل کو تباہ اور اعترافِ حق ، کی قوتوں کو زیادہ مستحکم اور قوی کر دے۔ آمین

ساغر نظامی

ادبیات

ولادت گوتم بودھ

فطرت کی بانسری اور وحدت کے مختلف الصوت مگر مشترک المقاصد راگ

خدا نے اپنی زمین کو اسقدر وسیع بنایا کہ انسان اُس کے حصہ اور ٹکڑے دریافت کرتے کرتے تھک گیا ہر زمانہ میں ایک نئی تحقیق زندہ ہوتی رہی۔ زمین کے کچھ حصے نئے دریافت ہوتے رہے مگر پھر بھی دنیا اپنی عظیم النوع وسعتوں کو لئے ہوئے ابتک اتنی نامعلوم باقی ہے کہ انسان اپنے علم اور اپنے ادراک کے ساتھ متحیر اور واماندہ ہے۔ باوجود اس وسعت کے دنیا کا کوئی حصہ کوئی خطہ اور کوئی طبقہ کسی زمانے میں وحدتِ وجود کی تجلیات سے غیر معمور نہیں رہا۔

جسوقت سنجاریب کی سطوتوں کے بعد بابل سے مصر تک بخت نصر کے عظمت و جلال سے دنیا گونج رہی تھی بیت المقدس کا شیرازۂ تعمیر بکھر چکا تھا، آل سلیمان رہبانیت کے دام فریب میں پھنسی ہوئی دیر پرستی کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھی اور جس وقت دانیال بنی اسرائیل کے لئے صاحب الامر تھے........

جسوقت کیانیوں کا مہرنیم روز اپنی پوری تابانیوں سے چمک رہا تھا۔ اور حکیم زردشت کی اوستا چھ سو سال سے اہل فارس کے لئے آسمانی کتاب بنی ہوئی تھی........

جسوقت روما اور یونان کا مذہب عجائب پرستی اور برہنہ مرمریں مورتوں کے سامنے سر جھکانا تھا اور نیکی بدی کے دیوتا الگ الگ اپنے پردوں میں خداوند قدوس کی الوہیت کو سجدہ کر رہے تھے........

جسوقت مملکتِ چین باوجود اپنی تمام شوکتوں کے خدا کو طاؤ کے نام سے یاد کر رہی تھی اور طاؤ انہی تخیل کا ایک مرکز اعتقاد بنا ہوا تھا

جسوقت سرزمین ہند میں سری کرشن کی رس رنگینیوں کو گونجے ہوئے دو ہزار چار سو اڑتیس برس ہو چکے تھے۔ ویدوں کی تعلیم سرد پڑ چکی تھی برہمن زندہ دیوتا بنے ہوئے تھے۔ جانوروں کی طرح انسانی قربانیاں بھی کی جاتی تھیں شراب مسرت و عبادت کا جزو مقدس سمجھی جاتی تھی........ بنارس کے راج محل

سولہ ہزار دوشیزہ لڑکیاں رقص و عشرت کے لئے پالی جارہی تھیں، اور خونریزی اور مذہب ناشناسی کے طوفان بڑھتے چلے جارہے تھے ......

عین اوس وقت نیپال کی ترائی میں بنارس سے ۱۰۰ میل جانب شمال ایک سرسبز شاداب باغ میں گوتم بودھ نے نزول اجلال فرمایا۔ بودھ کی ماں مایا دیوی ایام حمل کی رسم کے مطابق کپل واستو[1] سے اپنے باپ کے گھر جارہی تھیں۔ کہ کمبنی گاؤں کے قریب ایک باغ میں آرام کرنے کے لئے ٹھہر گئیں۔ وہ ابھی سیر کررہی تھیں کہ دردِ زہ شروع ہوا مایا دیوی نے ایک درخت کی شاخ تھام لی اور ایک پیکر روحانی آغوش شہود میں آپڑا۔ راجہ اندر اور برہما نے بودھ کے جسم لطیف کو اپنی گود میں لیا۔ کنول کا پھول زمین سے اگا اور گہوارۂ گوتم بن گیا۔

پانی کے سرد و گرم چشمے غسل دینے کے لئے لبریز ہوگئے اور باغ میں ہر طرف سے گانے کی صدائیں آنے لگیں۔

ہر مہاتما، ولی اور نبی کی پیدائش کے وقت کچھ ایسی ہی مافوق الفطرت باتیں ظاہر ہوا کرتی ہیں اسلئے اگر مہاتما گوتم بودھ کی ولادت کے وقت جو حقیقتاً ہندوستان کی بھٹکی ہوئی قومیت اور پراگندہ ذہنیت کیلئے بیداری، محبت، خلوص، اور رحم کا پیام لیکر آئے تھے۔ ایسا ہوا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ساتویں دن گوتم بودھ کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت دانیال کے الہامات اور علم الاسرار کی برکات بابل یونان اور ایران کی فضاؤں کو چیرتی ہوئی ہندوستان تک پہونچ چکی تھیں۔ اور یہاں بھی برہمن علم نجوم کی رو سے حکم لگایا کرتے تھے چنانچہ جب رسم کے مطابق گوتم بودھ کا جنم پتر بنا تو پنڈتوں نے باتفاق رائے کہدیا کہ راج کنور کی پرورش گھر کے اندر ہونی چاہئے۔ اسے ہمیشہ گھر کے اندر رکھنا چاہیئے ورنہ یہ لڑکا جوگ اختیار کرلے گا۔ اور راج گدی کے کام کا نہ رہے گا۔ راجہ کو اس بات سے بڑی تشویش ہوئی اور پنڈتوں کے کہنے کے مطابق گوتم بدھ کی پرورش اونکی خالہ پرجاپتی کی زیر نظر راج محل کے اندر ہونے لگی۔

جب گوتم بودھ کی عمر ۱۹ سال کی ہوئی تو کوبدن راجہ کی لڑکی جسودھرا ان کے لئے انتخاب کی گئی۔ مگر چونکہ مہاتما راج محل سے باہر نہیں نکل سکتے تھے اس لئے دولہن کا ڈولہ کپل واستو آیا اور وہیں محلوں میں شادی کی رسمیں مسرت و انبساط کے ساتھ ادا کی گئیں۔

کامل ۲۹ برس تک گوتم بودھ محلوں سے باہر نہ نکلے۔ اور محلوں کو اپنی دنیا سمجھکر وہیں زندگی بسر کرتے

[1] ہندوستان کے شمالی، اور نیپال کے دامن میں کپل واستو چند چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کی راجدھانی تھا اس شہر کا راجہ شدھودہن، گوتم بدھ کا باپ تھا۔

رہے آخر فطرت کو مہاتما سے جو کام لینا تھا اُس کا وقت آگیا۔ ایک دن جبکہ بادل گھرے ہوئے تھے اور راجکماری جسودھرا کچھ اُداس تھیں، مہاتما نے رتھ بان کو حکم دیا کہ "رتھ لاؤ ہم ذرا بازار جائینگے"، رتھ بان کی کیا مجال تھی کہ وہ راج کمار کے حکم سے سرتابی کرتا۔ پھر خدا کو کچھ ایسا ہی منظور بھی تھا رتھ بان رتھ لے آیا۔ گوتم سوار ہوئے اور بازار کی طرف رتھ روانہ ہوگیا۔

سب سے پہلے مہاتما کی نظر ایک ضعیف العمر شخص پر پڑی جو چل بھی نہ سکتا تھا اور اُنہیں یہ احساس ہوا کہ ضعیفی بھی انسان کے لئے ایک لازمی زمانہ ہے۔

اُس کے بعد ایک کوڑھی ملا۔ جس کے کوڑھ سے بدبودار پانی ٹپک رہا تھا۔ مہاتما کو محسوس ہوا کہ زندگی کے ساتھ یہ ابتلا بھی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اور کوئی ہمیشہ تندرست نہیں رہ سکتا۔

وہ اسی طرح دنیا کی بوقلمونی اور گوناگوں حالتوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے اپنی رتھ میں چلے جا رہے تھے اور اُن کا دل دنیا سے بیزار ہوتا چلا جا رہا تھا کہ یکایک سامنے سے ایک جنازہ جاتا ہوا نظر آیا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ انسانی زندگی کا انجام یہی ہے جو پیدا ہوا ہے اُسے ایک روز ضرور فنا ہوجانا ہے۔

محلوں کی ۲۹ سالہ زندگی گوتم بودھ کے لئے خارزار عالم کا ایک پردہ حائل تھی لیکن جب وہ محلوں سے باہر نکلے تو اُنہیں مشاہدات اور واقعات نے حقیقت کا ایک درس دیا۔ وہ اتنی ہی دیر میں دنیا کی حقیقت سمجھ گئے۔ فوراً اپنے گھر واپس ہوئے اور اسی وقت سے بجز می اپنی پیشین گوئیوں کے اثرات اُن کی طرز زندگی میں نمودار دیکھنے لگے۔

میں گوتم بودھ کے مفصل اور مسلسل سوانحی حالات سے دانستہ قلم کا رُخ پھیرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے ابھی یہ دکھانا ہے کہ بودھ کی حقیقت انگیز تعلیمات نے انقلاب اذہان اور ارتقائے اخلاق میں کہاں تک ترقی کی اور یہ بھی لکھنا ہے کہ عہد گوتم بودھ کے معاصر مذہب کہاں تک تبلیغ توحید اور تعلیم الٰہیات میں مساوی العمل تھے۔

غرضکہ گوتم بودھ کے دماغ پر دنیا کی بے ثباتی کا گہرا اثر پڑا۔ وہ راج محل کی عشرتوں سے نکل آئے اور ایک عرصہ دراز تک پہاڑوں اور بیابانوں میں ریاضات شاقہ کرتے رہے۔

گیا میں آکر وہ ایک عرصہ دراز تک معتکف رہے۔ جہاں عرفان الٰہی کے انوار اُن کے قلب میں چمکے اُن کے پیرو روز بروز بڑھتے جاتے تھے اور اب اُن میں رشد و ہدایت کے سلیقے فطرتاً پیدا ہونے لگے تھے۔

رفتہ رفتہ ان کی تعلیمات عام ہو گئیں عقل سلیم نے انہیں قبول کیا۔ اور آج بھی جبکہ مذاہب و ادیان کا تغیر رہا ہے اور فلسفہ جدیدنے ہر مذہب کو مقابلہ کا الٹی میٹم دیدیا ہے فائدہ دنیا کا ایک چوتھائی حصہ گوتم بودھ کی تعلیمات کو لیکن قلب اور نجات ابدی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

تبت سے لیکر چین اور جاپان تک بودھ مذہب کے پیروان آج تک گوتم کی تعلیمات کو قیام و عبادت کا جادو لا ینفک جانتے ہوئے ہیں۔ اور جب کبھی ان کی تعلیمات پر غور کیا جاتا ہے تو ان میں حقیقت اور معرفت کی تجلیاں بیش از بیش نظر آتی ہیں۔

عہد گوتم بودھ میں مختلف مذاہب کی تعلیمات

بودھ مذہب کی تعلیمات

ہم سب سے پہلے بودھ کی بعض تعلیمات مختصراً درج کرتے ہیں اس کے بعد دوسرے ہم عہد مذاہب کی تعلیمات کا ذکر کرینگے۔ بودھ کی تعلیمات کے باعتبار موضوع چار حصے کئے جاسکتے ہیں۔ (۱) الٰہیات (۲) اخلاقیات (۳) معاشیات (۴) نفسیات:۔ [1]

(۱) الٰہیات:۔

بعض پر جو روشنی پڑتی ہے وہ دنیا کے کسی چراغ سے نہیں آتی بلکہ اوس قندیل سے آتی ہے جو آسمانوں میں جھپی ہوئی ہے۔

وہ ہی ایک ذات ہے جسے ابدیت کا نا معلوم وقت گھیرے ہوئے ہے اور اوس کے سوا ہر ذی روح کے لئے موت ہے۔

گر انسان ہزار مرتبہ مٹ کر پھر پیدا ہو تو بھی عرفان الٰہی کی تحقیق مکمل نہیں ہو سکتی۔

قدرت کی ایک جوت سورج ہے۔ ایک چاند ہے۔ اور ایک روح ہے۔ ان کے علاوہ اسکی جو تیں غیر محسوس ہیں مگر وہ اتنی ہیں کہ اونکا شمار کسی سے نہیں ہو سکتا۔

ریاضت و عبادت سے قصص تعلیم کی تکمیل ہو سکتی ہے لیکن حقیقی ادراک ان سب کو چھوڑ کر صرف عمل پر غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

تجرد کی زندگی خدا کے عرفان سے یکگونہ قریب کر دیتی ہے دنیا کی ہر چیز آلودہ ترب ہے اسلئے اسکی ہر چیز سے بچنا چاہیے

اوس کی عدالت اس دنیا میں بھی ہے اور اس دنیا میں بھی ہے جہاں سے ہم آئے ہیں اور جہاں ہم پھر جاتے جب سب کچھ وہی ہے تو ہم بھی وہی ہیں، اور جب ہم وہ ہی ہیں تو ہمیں اوسی کی صفات اختیار کرنی چاہئیں یعنی ہم سب میں رہیں اور کسی میں نہ ہوں۔

اوس کی ذات کا عرفان انسان کی عاجزی بناوٹ اور دنیا

کی مقتدا زرتشت سے نجات آگے نہیں بڑھ سکتا۔

(۲) اخلاقیات:۔ بدھ نے اپنے پیروؤں کو دس اخلاقی سبق دیئے تھے۔

(۱) کسی کو قتل نہ کرو (۲) چوری کبھی نہ کرو (۳) زنا سے بچو (۴) یاوہ گوئی نہ کرو (۵) لالچ چھوڑ دو (۶) جھوٹ نہ بولو (۷) غیبت نہ کرو (۸) قسم نہ کھاؤ (۹) غصہ نہ کرو اور (۱۰) بد اعتقادی سے گریز کرو۔ اسکی اخلاقی تعلیم میں یہ باتیں بھی داخل ہیں:۔

"عقلمندوں کی خدمت کرو۔ جاہلوں سے بچو۔ قانون شکنی نہ کرو۔ علماء اور فقراء سے صحبت رکھو۔ زندگانی کی جد و جہد میں سرگرمی سے حصہ لو۔ نیک پیشے اختیار کرو۔ اچھے ملک میں رہو۔ ماں باپ کی عزت کرو۔ ذی عزت لوگوں کی تعظیم کرو خواہشات کو ترک کرو۔ دیانت، قناعت، خیرات، تواضع فکر، اور علم و تربیت اپنا شعار بناؤ۔ کبھی بھول کر بھی شراب نہ پیو"

میرے خیال میں تکمیل اخلاق کے لئے اس سے زیادہ سامان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اور یہ وہ درس عمل ہے جو قریب قریب ہر مذہب و ملت کے قانون میں محفوظ ہے۔

معاشیات:۔

"ہلوں اور کھیتوں سے اپنی روزی پیدا کرنے میں سست اور اداس نہ ہونا چاہیئے"

"جانوروں کو ہلاک کرنا، قتل کرنا، چرانا، ملکی کتابوں کا پڑھنا، تجارتی گندہ دہنایت ذلیل کام ہیں"

"ہر شخص اپنی روزی کا خود ذمہ دار ہے"

نفسیات:۔

"محل جانا ایسا ہے جو رستے میں ہیں اور زندگی کو پیلا کرتے ہیں"

"ہمدردی، مہربانی اور خدمت گذاری صرف محبت کا اظہار ہے"

"ہر انسان پر جو حقوق و فرائض عائد کئے گئے ہیں وہ اس وقت تک ادا نہیں کئے جا سکتے جب تک انسان اپنی خواہشوں کو دوسروں پر قربان نہ کر دے"

"زندگی کے جام مسرت میں تلخی کا زہر موجود ہے۔ کوئی زندہ ہستی غم سے کبھی خالی نہیں رہ سکتی"

"دنیا کے ہر کام کا ظہور دنیا والوں کے شوق اور آرزو پر منحصر ہے"

"تہذیب نیکی کی اشاعت کا نام ہے اور وہی قوم مہذب کہلائے جانے کے قابل ہے جو نیکی میں سب سے اعلیٰ ہو"

"نفس کشی، مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اُس زمانہ سے اچھا سمجھا جاتا ہے جب سے کہ سلسلہ تاریخ شروع ہوتا ہے"

زردشت کی تعلیمات

(۱) قابل عبادت صرف وہ خدا ہے جو زمین و آسمان، چاند، سورج، پانی اور آگ کا خالق ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا اور جس کے اختیار میں موت زندگی اور رنج و خوشی ہے۔

(۲) انسان کو اسی سے التجا کرنی چاہیئے کیونکہ اس کے سوا انسان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

(۳) خدا کا کوئی جسم اور کوئی روپ نہیں ہے۔ لیکن وہ ہر جگہ موجود ہے۔

(۴) خدا ہے اور واحد ہے اُسکی وحدت [illegible] ہے وہ گنتی اور شمار سے برتر ہے۔

(۵) خدا نے آگ پانی چاند اور سورج میں اپنا جلوہ دکھایا۔ ان چیزوں سے اُسکی شان و شوکت نمایاں ہوتی ہے ان کی طرف منہ کرکے ہمیں اُس پاک اور برتر خدا کی عبادت کرنی چاہئے۔

(۶) نیکی بدی انصاف اور ظلم میں تمیز کرنی چاہئے۔

(۷) ثواب گناہ رحمت اور غضب کو سمجھنا چاہئے۔

(۸) پانچ وقت خدا کی عبادت کیا کرو۔ اُس وقت تمہارا رخ کسی معبود چیز کی طرف ہونا چاہئے۔

(۹) برائیوں سے بچو اور نیک بننے کی کوشش کرو۔

(۱۰) موت کو برحق سمجھو۔ مرنے کے چوتھے روز حساب ہوگا۔

(۱۱) ہر شخص اپنے اعمال کا آپ ذمہ دار ہے۔ زردشت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا۔

(۱۲) نیکی کی تعریف:۔ عاجزی، تواضع، حیا، عصمت، سچائی، مروت، حسن سلوک، بھیک نہ مانگنا، دوسروں کی مدد کرنا یہ سب کام نیک ہیں اور خدا کی عبادت میں داخل ہیں۔

(۱۳) جو شخص ان گناہوں میں سے کسی ایک گناہ کا مرتکب ہو اُسے نجات کی توقع نہ کرنی چاہئے:۔

عداوت، دشمنی، ظلم، زیادتی، حرص و طمع، ضد، وہم، گداگری، محنت سے جی چرانا، حسد، غرور، چوری اور زنا۔

(۱۴) عبادت کا پہلا مقصد دل کی پاکی ہے۔

(۱۵) دنیا کی کسی بات کو برا نہ سمجھو کیونکہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے خدا کے حکم سے ہو رہا ہے۔

اوستا میں خدا تعالیٰ کے نام ایک ہزار لکھے ہیں مگر صرف ایک سو ایک نام مروج ہیں۔

چینیوں کے عقائد

(۱) طاؤ واحد ہے۔ وہی ابتدا ہے وہی انتہا ہے۔ وہ تمام چیزوں کو محیط ہے۔

(۲) طاؤ کا کوئی نام نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ایک ہے۔

(۳) طاؤ ہمارے خیال سے بالاتر ہے اس لئے وہ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ نہیں ہے۔

(۴) طاؤ ایک قطعی حقیقت ہے۔ اور ہر چیز اُسی حقیقت سے نکلی ہوئی ہے۔ پھر اُسی کی طرف اُسے بازگشت ہے۔

(۵) طاؤ آسمانوں اور زمینوں کا باعث ہے۔

(۶) اپنی روح کو بغور دیکھو تو طاؤ ہے۔ مخلوق اور غیر مخلوق دونوں طاؤ ہیں۔

(۷) انسان تاریکی سے باہر نکلتا ہے۔ روشنی میں ذرا ہنستا بولتا ہے۔ اور غائب ہو جاتا ہے لیکن ان سب تبدیلیوں میں وہی واحد ہے جو خود کو ظاہر کرتا ہے۔

(۸) طاؤ تمہارے دل میں خوشی بنکر نہیں آتا۔ اور نہ طاؤ تمہاری آنکھوں سے وہ آنسو پونچھتا ہے جو مصیبت کے وقت تمہاری آنکھوں سے بہتے ہیں کیونکہ یہ تمام ولولے ناقص اور فانی ہیں۔

(۹) ہر انسان کی خواہش اُس حرکت کا نتیجہ ہے جو طاؤ سے شروع ہوتی ہے۔

(۱۰) سب سے الگ ہو کر اچھے ہونے کی خواہش نہ کرو اور نہ خود کو برا کہو۔

(۱۱) زندگی غلط خیالات اور غلط تعلقات پر قائم ہے جسکا وجود

Arya magazine
Vol: I Page 700 + 702

اختیاری نہیں ہے۔

(۱۲) کوشش سے بے نیاز، طاؤ کی طاقت سے جبراً انجام پانے والی چیز جو تمہیں دی گئی ہے۔ موت ہے جو ایک دن ضرور آئے گی۔

(۱۳) حصولِ عقل اور بہت جاننے کی کوشش نہ کرو۔

(۱۴) علم جو کوشش سے حاصل ہوتا ہے وہ غیر طبعی ہوتا ہے اور طاؤ سے دُور لے جاتا ہے۔

(۱۵) مسرت کے لئے زیادہ فکر نہ کرو۔ اور نہ بدقسمتی سے ڈرو۔ کیونکہ ان دونوں میں سے کسی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(۱۶) عورت کا حسن، طاؤ کے غیر صوری حسن کا ایک موہوم پرتو ہے۔

(۱۷) عورت میں اپنی خوشی تلاش کرو۔ کیونکہ وہ تمہارے لئے طاؤ کا مظہر ہے۔ وہ نیچر کی سب سے زیادہ صاف تصویر ہے جس میں طاؤ جلوہ گر ہوتا ہے۔

(۱۸) محبوب سے اسطرح متحد ہو جاؤ کہ وہ بالکل تمہارا اور تم اس کے ہو جاؤ۔ یعنی اتحاد ایسا مکمل اور دوامی ہو کہ زندگی یا موت جدا نہ کر سکے ایسا اتحاد باامن اور منتزا ہے۔

(۱۹) جو چیز ہماری آنکھوں کو اصلی معلوم ہوتی ہے وہ حقیقت میں اصلی نہیں ہے۔

(۲۰) تمہارے دل کی تمام خواہشیں غیر حقیقی ہیں۔

(۲۱) آدمی اوس وقت آدمی ہے جب وہ اپنی زندگی کو صرف طاؤ کے حسن سے سمندر کی طرح جوش مارنے دے اور کلیوں کی طرح کھلنے دے۔

تعلیماتِ حضرت دانیال علیہ السلام[1]

(۱) اے بادشاہ تیری توفیق اُس خدا کا عطیہ ہیں جو واحد ہے۔ توانا ہے اور جسکا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۲) اے بادشاہ خدا کی نافرمانی کسی حال میں واجب نہیں ہے

(۳) بڈھوں اور بیماروں کو ہمیشہ امان دینی چاہئے۔

(۴) اے بادشاہ زندگی اور موت کی طرح انسان کی ہر حالت خدا کے اختیار میں ہے۔

(۵) خدا زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا ہے جو خود ہی اپنی ابتدا ہے مگر اوسکی کوئی انتہا نہیں۔

(۶) گناہوں اور جرموں سے توبہ کرنا زندگی کو نجات کے راستے پر قائم کر دینا ہے۔

(۷) خدا کا ارادہ ہر ارادہ پر قادر اور مقدم ہے۔

(۸) علم اور حکمت کا حاصل کرنا عرفانِ الٰہی کا دروازہ کھولتا ہے

(۹) خدا کے مرسلوں کو جھٹلانا سب سے بڑا گناہ ہے۔

(۱۰) انسان کو کمالِ قدرتِ الٰہی کی معرفت حاصل کرنی چاہئے۔

(۱۱) الواح سلیمانؑ کی حفاظت ہر حکمران پر فرض ہے۔ تا کہ عبادات کا طریقہ اور خدا کے احکام دل سے محو نہ ہو جائیں۔

(۱۲) اے بادشاہ اللہ تعالےٰ تیرے اعمال کا اندازہ کرتا ہے تو وہ سبک نکلتے ہیں۔

(۱۳) تواضع اور فروتنی بلندیٔ قدر و عزت کا سبب ہے اور تکبر و غرور ذلت کا باعث ہے۔

(۱۴) اے بادشاہ مہمان کے سامنے کسی پر غصہ نہ کرنا چاہیئے۔

[1] حدیقۃ الاقالیم۔

(۱۵) بخل، کینہ، حسد اور بغض، اور باتونی کی صحبت، غیبت، چغلی کھانا، شرک، چوری، جھوٹ، زندگی کے جسم کے لئے خطرناک کیڑے ہیں۔ اے بادشاہ انہیں پیدا نہ ہونے دے۔

اے بادشاہ، جنگ گذشتہ کو یاد نہ کر کہ اس سے خصومت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

(۱۷) جمعیت سے ہمیشہ موافقت کرنی چاہئے تاکہ وہ زندگی کے ضروری اوقات میں ساتھ دے سکے۔

(۱۸) جو کام ابتک نہیں کیا ہے اسے کیا ہوا نہ سمجھ۔ کیونکہ بغیر عمل کامرانی کی اچھائی نمایاں نہیں ہوتی۔

(۱۹) بد اصل سے وقوع نیکی کا امکان بہت کم ہوتا ہے

(۲۰) اپنی آواز کو نرم رکھ۔ بالتحقیق ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔

(۲۱) خدائے جل شانہٗ کو اسطرح سمجھنا چاہئے کہ وہ دونوں جہاں کا خالق ہے۔ بے چون و بے چگون۔ بے شبہ اور بے نمون جو جوہر و عرض سے پاک۔ حدود و حدوث سے منزہ۔ نقصان و زوال سے مبرا۔ اور تمام صفات کمالات سے موصوف ہے۔

ان مختلف تعلیمات میں وحدت الٰہی کا صرف ایک ہی رنگ جھلکتا ہے اور اختلاف صرف ضروریات ماحول کے تابع نظر آتا ہے اگر معاشی، ملکی، اور وقتی ضروریات کے اختلافات پر پردہ ڈالدیا جائے تو "وحدت ادیان" میں پھر کوئی تفرقہ باقی نہیں رہتا۔

سیماب

ایک ضروری بات

یہ نمبر پیمانہ کے تمام قدیم وجدید خریداروں کو بھیجا گیا ہے جن لوگوں کا حساب باقی ہے انہیں تو رجسٹر کے مطابق رسالہ پہونچیگا لیکن جن حضرات کا حساب دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء تک ختم ہو چکا ہے اُن سے گزارش ہے کہ وہ سنہ ۱۹۲۸ء کے لئے چار روپئے اس رسالہ کے پہونچتے ہی ذریعہ منی آرڈر بھیجدیں۔ تاکہ رسالہ آئندہ برابر پہنچتا رہے۔ پیمانہ کی مانگ اسقدر زیادہ ہے کہ پُرانے پرچے بالکل نہیں بچتے۔ اس لئے پورے بارہ نمبر حاصل کرنے کا ایک ہی آسان طریقہ ہے کہ زرِ سالانہ اسی مہینے میں بھیجدیا جائے۔

جبتک

۶ ر کے ٹکٹ نہ آئیں گے نمونہ کسیکو نہ بھیجا جائے گا۔

نغمۂ عرفان

(گہوارۂ حیات میں)

جب عشرت کے پیمانوں میں ذراتِ شرابیں ڈھلتی تھیں
بدکاری و بدمستی کی جب تیز ہوائیں چلتی تھیں
جب کرشن کی بھگوت گیتا کا ہر نغمہ دنیا بھولی تھی
جب کھیل تھی عصیاں سامانی جب ہر لغزش معمولی تھی
جب عہدِ جوانی عورت پر بیباکی بنکر آتا تھا
جب نام خدا کے لینے سے انسان کا دل گھبراتا تھا
جب ویدہ کے رہنے والوں پر اک نیند بلا کی طاری تھی
جب چارہ گرانِ عالم کو غفلت کی خود بیماری تھی

اک ابر کپل وستو سے اٹھا نیپال سے اک بجلی چمکی
گنگا نے اک انگڑائی لی، جمنا جاگی، اُبھری، چمکی
وسطِ گلشن پر نیساں نے ایک قطرہ ایسا برسایا
جو عرفان کا بادل بن کر گھنگھور زمانے پر چھایا
چشمے لبریزِ آب ہوئے، پھولوں میں نکہت تیز ہوئی
کاشی کے مندر چونک پڑے۔ فطرت ہنگامہ خیز ہوئی
فوارے اُبلے پڑتے تھے، پیڑوں کی شاخیں جھکتی تھیں
خوشبوئیں کچھ بھینی بھینی سانسوں میں آ کر رکتی تھیں

وہ گیان لکشا کا سورج جب چمکا دنیا کے اندھیرے نور بنے
نیپال کے دامن سے لیکر کوسوں تک لاکھوں طور بنے
تبت، چین اور جاپان انکی آہنگ ہوا سے گونج اٹھے
خاموش کنٹھ، توحید کی اک صوتِ دلجو سے گونج اٹھے
عرفانِ الٰہی کی موجیں اک قلزم کے دل سے نکلیں
ساری دنیا میں پھیل گئیں، جب حدِ ساحل سے نکلیں

انجی میں گیا میں اب تک اُس عرفان کی خوشبو باقی ہے
وہ عرفانی دنیا میں نہیں، لیکن اُس کی ہوا باقی ہے

(متعلق تصویر)

ساغر نظامی

بابر کا شخصی انکشاف

از۔ علامہ عبداللہ یوسف علی (ایل۔ایل۔ڈی) پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور
مترجمہ ساغر نظامی (مدیر پیمانہ و مستقل)

اس مضمون کا مقصد حیات بابر کے واقعات بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ایک نوشتہ کی شخصیت کی تشریح اور نفسیات کو بغرض مطالعہ پیش کرنا ہے۔ تاریخ کو سب سے اہم مواد جن کی مدد سے مباحث کے موضوعات ہوتے ہیں۔ ان کی کثیر الحجم ذخائر سے جو دوسرے لوگ ان کے متعلق لکھتے ہیں، یا اُن معاصرانہ نقوش و مخطوطات مصنفین کے تقاضوں کے مطابق خاص خاص کلموں سے پیدا ہوا ہو حقیقی تخیل کا مستند جانا بہت کم کیا جا سکتا ہے۔ وہ بجائے اصلی یادداشتیں بھی ہیں جو کہ اقتدار اختیار میں ترتیب دی جاتی ہیں، اہم مواد سوانح یا بیگو صداقت و سادگی سے مملو ہوتے ہیں جو وقتاً فوقتاً لکھی جاتی ہیں جن میں وقتی احساس کا انعکاس ہوتا ہے، اسی حیثیت مجموعی سوانح حیات اور شخصیات مرتب کرتی ہیں۔ مگر بابر کے روزنامچہ میں ہمیں سادہ اور صاف ملفوظات ملتے ہیں۔ اُنکی سادگی یقین دلاتی ہے کہ وہ صاف دل سے نکلی ہوئی ہیں، جو نرمی کے ساتھ سماعت میں پہنچتی ہیں اور پڑھنے والے کو بغیر کسی تاویل و اعتراض کے اعتماد ہو جاتا ہے۔ حقیقتاً ملفوظات کی یہ نوعیتیں ایک نعمت عظمیٰ ہیں۔ یادداشت کی سادگی، صفائی اور صحت ان کو ایک بہترین دستاویز انسانیت بنا دیتی ہے۔ بابر کا روزنامچہ، بابر نامہ اور اصل ترکی کی چغتائی زبان میں لکھا گیا تھا جو خود بابر کے قلم کا لکھا ہوا ہمارے لئے ممکن الحصول ہے۔ یہ مسودہ حیدرآباد دکن کی سالار جنگ لائبریری میں محفوظ تھا جس کی نقل مطابق اصل ۱۹۰۵ء میں کی گئی۔

ہمیں معلوم ہے کہ خود ہمایوں نے بھی "بابر نامہ" کی ایک نقل کی تھی۔ اور اُس میں اپنی طرف سے ایک حاشیہ بڑھایا تھا۔ عہد اکبری میں اُس کا ترجمہ عدالت کیلئے فارسی زبان میں ہوا۔ جہانگیر بھی اپنی تزک جہانگیری (۱۰۲۶ھ) میں لکھتا ہے کہ اُس نے بابر کا مسودہ دیکھا ہے جو بابر ہی کے متبرک قلم سے لکھا ہوا تھا، جس میں اُس نے اپنی طرف سے چار حصے بڑھائے تھے۔ شاہجہاں کے قبضہ میں بھی بابر کا یہ قلمی مسودہ موجود تھا۔ اندرونی شہادتوں سے قیاس کیا جاتا ہے کہ حیدرآبادی نسخہ ۱۷۰۰ء عہد اورنگ زیب کا ہے۔ اس طرح ہمارے پاس اس کی ایک مضبوط سند ہے کہ بابر کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ہندوستان میں موجود تھا۔ جو ڈیڑھ سو سے دو سو برس تک سلطنت کے جانشینوں میں بیش قیمت سمجھا جاتا رہا۔

متن کی اندرونی شہادتیں اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رکھتیں، کہ بابر نے اسی ہندوستان میں لکھا تھا۔ اگرچہ یہ مسودہ اُس انقلاب میں منتشر ہو گیا ہے، جو سلطنت مغلیہ کے زوال سے قریب پیدا ہوا تھا، تاہم ہمیں امید ہے کہ اس کی اصل کسی نہ کسی دن ضرور مل جائیگی۔ اور اس طرح متن میں جو خالی جگہ رہ گئی ہے اُس کا بھر جانا ممکن ہے ۱؎

یہ بھی ممکن ہے کہ جو خالی مقامات متن میں چھوٹے ہوئے ہیں وہ بابر نے خود چھوڑ دئے ہوں اور اُسے اپنی سوانح عمری مکمل کرنے کا وقت نہ ملا ہو۔

ترکی اور فارسی مسودات کی مطابقت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسودہ بالکل وہی ہے جو بابر نے لکھا تھا۔ ترکی ادب میں اس کی قابلیت کا معیار بہت بلند ہے۔ میں نے جو کچھ مسودات کے متعلق کہا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بھی اس کی یادداشتوں کی مساوی قدر کی گئی۔ یورپین فضلاء پر ترکی مسودات نے ایسا سحر کیا ہے کہ ہم صرف انگریزی تراجم اور تحریروں سے بابر کی زندگی اور شخصیت کا مکمل مطالعہ کر سکتے ہیں۔

(Ilminski) Russian کی طرف سے ایک نسخہ ۱۸۵۷ء میں شائع ہوا۔ اور پھر اس کا ترجمہ مسٹر پیویٹ ڈی کورٹائل (Pavet de Courteille) نے فرانسیسی میں کیا۔ السنکی نے بھی چند جزو بطور ضمیمہ سوانح حیات میں اضافہ کئے۔ سٹیڈن (Leyden) اور ایرکس (Erskine) نے ۱۸۲۶ء میں ایک انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ مگر وہ ایک غیر مکمل مسودہ کا ترجمہ تھا۔ جس پر ایک قیمتی تاریخی اور جغرافیائی مقدمہ لکھا گیا۔ اس ترجمہ کو سر لوکس کنگ (Lucas King) نے نظر ثانی کر کے از سر نو ترتیب دیا۔ جو دو جلدوں میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔

۱؎ اس مسودہ پر وہ اشارات ملاحظہ فرمائیے جو مسز بیوریج نے اپنے قیمتی انگریزی ترجمہ "بابر نامہ" میں دئے ہیں۔

مسز بیورج (Mrs Beveridge) نے بھی اپنا آزاد مگر فاضلانہ ترجمہ ۱۹۲۱ء میں معہ ایک تشریحی فہرست کے دو جلدوں میں لنڈن سے شائع کیا۔ یہ ترجمہ اصل سے بہت مطابق ہے لیکن مسٹر لوکس کنگ کا ترجمہ عام طور پر مطالعہ کرنے والوں کے لئے بہت کارآمد ہے۔

مسٹر اسٹینلی لین پول (mr. Stanley Lane Poole) نے بابر کے روزنامچہ کا ایک قابل تعریف خلاصہ شائع کیا جو مسٹر ونسینٹ اسمتھ (mr. vincent smith) کے خیال میں سلسلۂ سلاطین ہند کا سب سے بہتر نسخہ ہے۔ مسٹر رش بروک ولیمس (mr. Rush brook williams) نے (جن سے ہم الہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ جدید میں اچھی طرح متعارف ہیں) ۱۶-۱۹۱۵ء میں چند لیکچر بابر کے متعلق دیئے اور انھیں بعنوان "سولویں صدی کا ایک اقلیم گر" شائع کیا۔ ایرسکن اور کیل ڈی کٹ (Erskine & Caldecott) کی مرتب کردہ تاریخیں بھی انگریزی لٹریچر میں بابر کی سوانح حیات کے حصے ہیں۔

اس طرح انگریزی میں ایک کثیر لٹریچر ہے۔ جس سے ہندوستانی طلبا اور پبلشر اس دلچسپ زمانے سے (یعنی ہندوستان میں سولویں عیسوی کے آغاز سے) افادہ کرتے ہیں۔ اور اس شاندار شخصیت سے متعارف ہوتے ہیں جس کا شخصی ممتاز اور کارنامۂ باقی، چار صدیاں گذر جانے کے بعد بھی آجتک ہمارے لئے بہت زیادہ بامعنی اور ضروری ہے۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، روزنامچہ مکمل نہیں ہے، وہ یکایک سنہ ۸۹۹ھ / ۱۴۹۴ء سے شروع ہوتا ہے، جبکہ بابر فرغنہ کا بادشاہ ہو چکا تھا، بابر حدود اور علاقہ جات سلطنت سے شروع کرتا ہے۔ اپنے باپ کے مختصر حالات لکھتا ہے، اپنی ذاتی اور نفسیاتی تشریح کرتا ہے، پھر لڑائیوں کے حالات خاندانی واقعات (جن میں خواتین کا ذکر بھی ہے) اور امرائے دربار کے شاندار خاکے کھینچتا ہے۔

بابر کا جغرافیائی طریقۂ ترتیب ہمیں قریب قریب تفاسیر قیصری کی یاد دلا دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بابر کی یادداشتیں اسی طرح شروع ہوئی ہیں جس طرح وہ ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں تاریخی واقعات کا ایک احتیاط آمیز خلاصہ ہے جو اس کی داستان حیات تک رہنمائی کرتا ہے۔

اکثر مقامات پر گذشتہ واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ان میں وہ واقعات بھی ہیں جو فتح ہندوستان کے بعد صورت پذیر ہوئے۔ اس سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ یہ حصہ نہایت احتیاط سے ہندوستان میں اس وقت

لکھا گیا ہے جبکہ بابر اپنی حیات کی آخری منزلیں طے کر رہا تھا۔

یہ حصہ سنہ ۸۹۹ھ (۱۴۹۴ء) سے لیکر سنہ ۹۱۴ھ (۱۵۰۸ء) کے اوائل تک مشتمل ہے۔ صرف اواخر سنہ ۹۰۸ھ (۱۵۰۲ء) سے اوائل سنہ ۹۱۰ھ (جون سنہ ۱۵۰۴ء) تک ایک مختصر زمانہ حذف کر دیا گیا ہے۔ مگر دوسرا زیادہ اہم ایک حذف اور ہے جس میں سنہ ۹۱۴ھ (۱۵۰۸ء) سے سنہ ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ء) تک گیارہ عظیم الواقعات سال چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ یہ زمانہ قسمتِ بابر کا ایک تاریک زمانہ تھا گو وہ اُن زمانوں سے زیادہ تاریک نہ تھا۔ جو بابر کے اوائل عہد ترقی میں گذرے۔

ہم بابر کی تشریح، اس کے ازبک مخالف شیبانی خاں اور ایرانی حریف شاہ اسمٰعیل کی مخالفت کے متعلق دیکھنے کے آرزومند تھے[1] مگر چند طویل عبارتیں ایسی ہیں جو حقیقتاً نہایت احتیاط سے مرتب کی گئی ہیں اور جو عملاً روزنامہ کو مفصل بنا دیتی ہیں مثلاً ۲۸ رجب سنہ ۹۳۲ھ (یعنی ۱۰ مئی سنہ ۱۵۲۶ء) کے اندراج کے بعد بابر ایک مرتب بیان ہندوستان کے متعلق لکھتا ہے جس کی تمہید اس کی فتوحات پر روشنی ڈالتی ہے اور جس میں وہ نہایت آزادی کے ساتھ ماضیاتِ ہند پر تبصرہ کر جاتا ہے۔

وہ علانیہ "طبقاتِ ناصری" کا حوالہ دیتا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ فتحیاب ہونے کے بعد تاریخ ہند کا

---

[1] ان واقعات کا ایک مجمل خاکہ یہ ہے:-

"بابر بالاستقلال مسند آرائے کابل و بدخشاں گردیدہ روزگارے گذرانید۔ بالجملہ بابر در کابل بود کہ خاقان سلیمان شان شاہ اسمٰعیل صفوی بگوشمال محمد خاں شیبانی معروف شیبک خاں رونق افزائے دیارِ خراساں گردیدہ شیبک خاں را مع فوج کثیرش طعمۂ تیغ آبدار در خراساں را داخلِ ممالک محروسۂ خود گردانید"

"بابر میرزا" با ذیالِ دولت آن بادشاہ مصطفوی نژاد توسل جستہ بامداد فوج مظفر گردیدہ بلخ و بخارا را"

"مفتوح و مسخر ساخت۔ و خطبۂ امامیہ باعثِ رعبِ سطوتِ بادشاہ مرتضوی نسب در بخارا خواندہ شد۔ دینا بر"

"نفاقیکہ با امیر نجم سالارِ فوج قزلباش و بابر بادشاہ بمیان آمد در یکے از حروب کہ با والیان توران اتفاق افتادہ"

"بسبب تغافل و اغماض امیر نجم بر افواج بابر شکست افتاد و امیر نجم در میدان کشتہ شد۔ بابر بحال پامالی در بخارا رسیدہ"

"بناچاری برگشتہ قناعت بہ بدخشاں و کابل کہ حصہ از ممالک بلخ بود نمود۔ بعد چندے کہ فوج آراست و جمعیتے بہم رسانید استقلالِ احوال"

"کشورِ ہند شنیدہ بود استیذان از بادشاہ مصطفوی نژاد از قاصد کابل قاصد استخلاص ہند گردید"۔ — ساغر نظامی

(ملخص التواریخ حصہ ۴ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۲ء)

مطالعہ کر رہا تھا اُس نے پانچ عم عہد مسلمان شہزادوں اور دو بڑی ہندو ریاستوں۔ اودیپور اور وجیا نگر ــــ کا حال بھی لکھا ہے۔ اثنائے تحریر میں جب وہ احتیاطاً اُن واقعات کا ذکر کرتا ہے جو دو سال بعد ظہور پذیر ہوئے جیسے حملۂ چندیری (۲۹ جنوری ۱۵۲۸ء) یا بو قلون شرک (مینا) کا لکھنؤ میں دیکھنا[1] (۲۸ مارچ ۱۵۲۸ء) تو ہم اس نتیجہ پر پہونچنے میں حق بجانب ہوتے ہیں کہ یہ حصے اُس کے روزنامچے میں اُس کی آخر عمر میں لکھے گئے ہیں۔

لکھنؤ کا یہ واقعہ ہمارے لئے بہت دلچسپ ہے۔ کہ ۲۱ مارچ ۱۵۲۸ء کو بابر لکھتا ہے:۔

"میں نے اُسی دن گومتی میں غسل کیا۔ میں نہیں جانتا کہ میرے کان میں پانی چلا گیا"

"یا ہوا کا اثر تھا کہ میرا داہنا کان بہرا ہو گیا۔ گو وہ زیادہ عرصہ تک تکلیف دہ نہ رہا۔"[2]

ہندوستان کے متعلق بابر کا یہ بیان مکمل اور صحیح ہے۔ علم الارض (جغرافیہ) کے نقطۂ نگاہ سے وہ کابل اور کشمیر سے بنگال اور سمندر کے کناروں تک واقعات کو سمیٹتا چلا گیا ہے۔ اس نے شمالی ہند کے خاص خاص پہاڑوں اور دریاؤں کا ذکر بھی کیا ہے۔

وہ یہاں نہریں نہ دیکھ کر تعجب کرتا ہے۔ جیسی کہ وسطی ایشیا میں اُس نے دیکھی تھیں جسے وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ پھر وہ آبپاشی کے دو بہترین طریقے بیان کرتا ہے۔ جو آجکل بھی مستعمل ہیں۔ یعنی ایرانی پہیہ اور چرخہ کا ڈول (چرسہ)۔ ہموار میدانوں کے سناٹے اور شہروں کے ناگوار ماحول نے اس پر بہت برا اثر کیا۔ اُس نے جانوروں، پرندوں، ملک کی دریائی آبادی کا ذکر اصولِ علم کے مطابق کیا ہے۔ پھلوں اور میووں کے متعلق اس کی تشریح نہایت تفصیل اور مکمل ہے۔

بابر کے بیشتر بیانات ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہیں۔ اور اُس کی فہیمانہ پرواز نہایت خوبصورت ہے جیسا کہ ذاتی واقعات میں ناگزیر ہوتا ہے وہ ہمیشہ ان چیزوں کا موازنہ اُن چیزوں سے کرتا ہے جنھیں وہ پہلے وسطی ایشیا میں دیکھ چکا ہے۔

آم ہندوستان کے میووں میں سب سے پہلا درجہ رکھتا ہے مگر بابر لکھتا ہے۔

"ان آموں میں جو آم اچھے ہوتے ہیں وہ خوب ہیں بہت سے آم چوسے مگر اپنی قسم کے اچھے بہت کم نکلے"[3]

---

[1] یادداشت مصنفۂ سر لوکس کنگ جلد ۲ صفحہ ۲۱۶

[2] یادداشت کنگ جلد ۲ صفحہ ۲۲۲

[3] یادداشت کنگ جلد ۲ صفحہ ۲۲۵

فطری اور سچی تاریخ سے گذر کر بابر اغنیاءِ وقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اُن ترقیوں کو یادداشت میں لکھتا ہے جو اُس نے پتھر کے ٹکڑوں پر گھڑیالیوں کے ذریعہ گھنٹے بجانے کے متعلق شروع کیں۔ شہری باشندے، اُن کے گھر اور رواج نہایت غیر مربوط طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں۔

ہندوستان کی خوش حالیوں سے ہی نا آشنا نہیں ہے جن میں سے بالخصوص سونے اور چاندی کے انبار، ساون کی خوشگوار ہوائیں، اور معاشیات کی وسعتیں اس کی نگاہ میں ہیں، وہ اُن دو سو مزدوروں سے، جنہیں اس کے جدِ امجد تیمور نے ایک مسجد کی تعمیر میں لگایا تھا۔ (خصوصاً سمرقند میں) اپنے ۱۴۹۱ سنگتراشوں کا مقابلہ کرتا ہے جو اس کے ہندوستانی محکمۂ امورِ عامہ میں روزانہ کام کرتے ہیں[1] جیسا کہ اندراج مورخہ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۹۳۳ھ روز جمعہ مطابق ۱۲ دسمبر سنہ ۱۵۲۶ء سے ظاہر ہوتا ہے۔ بابر نے اپنا ایک پورا خط نقل کیا ہے جو اس نے کابل بھیجا تھا جس میں زہر خورانی کی ایک سازش سے محفوظ رہنے کا ذکر کیا ہے[2]۔

اودے پور کے رانا سانگا کی جنگ کے متعلق بابر کا بیان ایک سنجیدہ اور صاف فسانہ کی شان رکھتا ہے اور اس پرشکوہ "فرمان" سے بہت زیادہ ملتا جلتا ہے جس کا بابر کے سکرٹری نے مسودہ کیا تھا جس میں جا بجا عربی جملے ہیں اور جو مسودات فارسی میں شریک ہے گو اس کا پتہ ترکی نسخہ میں نہیں ملتا جسے لیڈن (Logaen) نے شائع کیا ہے۔
غیر اہم خلاؤں کے ساتھ روزنامچہ آخر ۹۳۵ھ (ستمبر سنہ ۱۵۲۹ء) تک پہونچتا ہے، اور ناہموار طریقے سے ایک مختصر اندراج کے ساتھ اوائل سنہ ۹۳۶ھ تک یعنی وفات بابر سے ۱۵½ ماہ پیشتر ختم ہو جاتا ہے۔

یہ ہے روزنامچہ کی شیرازہ بندی، اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جس شخص نے اسے لکھا وہ کس وضع کا انسان تھا اور کس قسم کی فضا میں سانس لیتا تھا؟ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اگرچہ روزنامچہ میں جا بجا ترمیم کر دی گئی ہے۔ تاہم بابر کے کیرکٹر کا ایک تدریجی انکشاف اُس سے ضرور ہو جاتا ہے۔

وہ ایک بارہ سالہ لڑکا تھا جو اپنے بھائیوں اور چچاؤں سے وسطی ایشیا میں اپنی سلطنت فرغنہ کے لئے لڑا، ایک وقتی نوجوان سپاہی تھا جس نے اپنا موروثی تخت سمرقند ایک دفعہ سے زیادہ فتح کیا۔ ایک مدبر تھا جو مشرق میں

---

[1] یادداشت کنگ جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ - ۲۴۴

[2] " " جلد ۲ " ۲۶۷ - ۲۷۱

از بک کے سیلاب جنگ اور مغرب میں ایرانی وسعتوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ ایک دانشمند حکمراں تھا جس نے کابل میں اپنی بنیاد قائم کی اور افغانستان کی مخلوط و سرکش آبادی کو اپنے قابو میں کر لیا۔ اور شہنشاہیت کے خواب دیکھنے والا ایک کامل الفن لشکری تھا جس نے پانی پت میں لودی خاندان کی بنیادیں ہلا دیں اور رانا سانگا والی ادیپور کو مع تین لاکھ کے راجپوت اور مسلمان رفقاء کے ایک مبارک جنگ میں شکست دیکر آگرہ میں اپنا دار السلطنت، کنوؤں، باغوں، سڑکوں اور مختلف امورِ عامّہ سے مرتب کرنے کا فخر حاصل کیا یہاں تک کہ شمالی ہندوستان میں اس نے ایک خاص قسم کی باقاعدگی پیدا کر دی۔

اس انکشاف کے متوازی اُس کا عام تشخص اس کی عجیب و غریب شخصیت پر مبنی تھا۔ وہ زور آور اور مضبوط تھا۔ جنگجو اور دلیر۔ اُس نے سلطنت کو اس طرح حاصل کیا اور اس طرح برباد کر ڈالا جس طرح ایک نوجوان فضول خرچ اپنی ذاتی املاک کا وارث ہو۔ اُسے اپنے ترکی النسل ہونے پر فخر تھا۔ جس نے اُسے شجاعت اور انسانیت سے سرفراز کیا۔ لیکن وہ اُس مغلیہ نسل کو بھول گیا تھا جس سے اُس کی ماں تھی گو کہ اُسے بہت سی نیکیاں اور بہت سے گناہ مغل قوم سے ورا ثتاً ملے تھے۔

جس وقت وہ جوان ہوا تو اُس کے تجاربے نے اُسے بتا دیا کہ اُسے اپنے دوستوں سے بھی بہت زیادہ ہوشیار رہنا چاہیئے لیکن اُس نے کبھی اپنے احساسِ تحیّر کو ہمسایہ اور دوستوں کے لئے اور اپنی جوانمردی کو عورتوں کے لئے ہاتھ سے نہ دیا۔ اپنی آخرِ عمر تک اُسے قانونِ فطرت کے مطالعہ رازِ فطرت کی دریافت، اور کھیل تماشوں کا شوق رہا ہم اُس لڑائی میں جو رانا سانگا کے خلاف اس کو لڑنی پڑی اُسے بہت سنجیدہ اور جوشِ مذہبی سے لبریز پاتے ہیں جو اُس کی ابتدائی سرگذشت میں نظر نہیں آتا۔ اُس کا جذبہ عقیدت مشائخ، فقرا اور خواجگانِ اسلام کے متعلق بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ابتدائے عمر میں ایک بچہ کی طبیعت میں پایا جاتا ہے۔ لیکن وہ کبھی باطل عقائد کی طرف رجوع نہ ہوا۔ وہ ہمیشہ اُس کا آرزومند رہتا تھا کہ ہر معاملہ میں خود تحقیقات کرے اور ہر مشتبہ معاملہ کو اپنی ہی آزاد نظری اور دلیل سے پرکھے۔ وہ لڑائی اور حکومت کے جدید طریقے معلوم کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتا تھا۔

افغانستان اور ہندوستان میں اُس نے بندوقوں اور توپوں کی ایجاد میں اپنے خاص بندوقچی اُستاد علی قلی کے ذریعہ ترقی دی۔ اور اپنی فوجوں میں اعتماد قائم کرنے کے لئے مغربی (رومی) ماہرِ فن ترکوں کو بندوقوں کی مسلسل ترتیب دینے اور خطوطِ مدافعت کو مستحکم کرنے کے لئے ملازم رکھا۔

اس کے ساتھ مغلوں کا برتاؤ نہایت بے رحمانہ تھا لیکن وہ کبھی جذبۂ انتقام سے لبریز نہ ہوا۔ کسی نہ کسی طرح اُس نے اپنے آخری حملوں میں مختلف طبقوں اور افراد کے درمیان ایک تفریق کر دی جنھوں نے اُس کی ترقی کو روک رکھا تھا' اور جو لوگ اُس کے ساتھ بدمعاملہ ثابت ہوئے تھے اُنکو اُس نے سخت سزائیں دیں' اور جو بیکس و لاچار تھے اُنھیں پناہ دی اور معاف کر دیا۔

اس طرح اُس نے ہزارا اور غلزئی قوم کے سرکشوں کو تاراج کر دیا۔ اور بجوریوں[۵۲] کو سخت سزائیں دیں۔ لیکن ہندوستانی تاجروں کو پناہ دی[۵۳]

ہندوستانی تاجروں کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ:-

"جب ہم قلات پہونچے تو ہندوستان کے تاجروں کو جو قلات میں بسلسلۂ تجارت آئے"
"ہوئے تھے بھاگنے کا موقع نہ ملا۔ کیونکہ ہمارے لشکری اُنپر دفعتاً ٹوٹ پڑے تھے"
"عام رائے یہ تھی کہ موجودہ انتشار کے زمانہ میں ان لوگوں کو جو غیر ممالک سے آئے ہیں"
"برباد کر دینا ہی مناسب ہے۔ میں نے اُس کی تائید نہیں کی۔ اور دریافت کیا کہ اُن مسکینوں"
"نے کس جرم کا ارتکاب کیا ہے؟ اگر ہم محبت الٰہی کے جذبہ میں اُن معمولی باتوں سے"
"کچھ نقصان اُٹھالیں گے تو ایکدن خدا اُس کے معاوضہ میں ہمیں عظیم المنفعت اجر دیگا"

اس موقع پر اُس کی نسلی قومیت اُس کے جذبۂ اسلام سے مغلوب ہو گئی تھی۔ لیکن ان معاملات میں جن میں بالیسی اور ضمیر ایک ہی سمت رہنمائی کر رہے تھے' وہ کچھ زیادہ تیز فہم اور مافوق العقل نہ تھا۔

مے نوشی کے متعلق بابر کا انکشاف بہت زیادہ سبق آموز ہے۔ مغلوں' ترکوں' اور ایرانیوں میں شراب نوشی عام طور پر رائج تھی۔ بابر اپنی شراب نوشی کی ابتدائی آزمائشوں کا ذکر خود کرتا ہے۔ جبکہ اُس نے اتقا کے انتہائی جذبات سے معمور ہو کر شراب نہ پی۔ ہرات میں بھی وہ اس سے بچتا رہا۔ گو عیش پسند جماعتوں نے اُس کے راستے میں بہت زیادہ تشویق پھیلائی۔ اُس کی عمر اس وقت تقریباً ۲۳ سال تھی۔ وہ کہتا ہے:-

"اگرچہ میں اُس وقت تک شراب پینے کا مجرم کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور جبکہ میں اس کا عادی نہ تھا"

---

[۵۱] یادداشت کنگ جلد ۲ صفحہ ۴۴ [۵۲] یادداشت کنگ جلد ۱ صفحہ ۴۲ [۵۳] یادداشت کنگ جلد ۲ صفحہ ۴۵

اُس احساس سے خیر آگاہ تھا جو وہ پیدا کرتی تھی۔ تاہم مجھ میں ایک پوشیدہ مگر مستحکم میلان اس "
" میدان میں سیر کرنے کا رکھتا تھا۔ اور میرا دل اس طوفان کو عبور کرنے پر بہت زیادہ "
" مائل تھا۔ مجھے بچپن میں اُس کی مطلق خواہش نہ تھی۔ اور میں اُس کے کسل و سرور سے واقف "
" نہ تھا۔ جب والد ماجد مجھ سے شراب پینے کے لئے فرماتے تھے تو میں خود انکار کر دیتا تھا "
" اور پرہیز کرتا تھا۔ والد کی وفات کے بعد خواجہ قاضی کی محفوظ نگرانی میں میں پاکباز "
" اور معصوم رہا۔ میں ممنوعہ غذاؤں سے بھی پرہیز کرتا رہا پھر بھلا شراب سے کیونکر "
" محفوظ ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد جب جذباتِ شباب اور خلقی تحریک سے مجبور ہو کر مجھے "
" شراب کی آرزو ہوئی تو میرے آدمیوں میں کوئی بھی میری خواہشات کو دعوت "
" حظ دینے والا نہ تھا۔ یقیناً بلکہ میری خواہشِ شراب کا کسی کو وہم بھی نہ تھا "
" اس لئے گو میں تشنۂ شراب تھا مگر میری بے نیاز طلبِ فطرت کیلئے ایسی ناجائز خواہشات "
" کی پذیرائی بہت مشکل ہو گئی تھی "

" میرے دماغ میں ایک بات آئی کہ لوگ مجھے بہت زیادہ مجبور کر چکے ہیں۔ اور اب جبکہ "
" میں ہرات جیسے مہذب شہر میں آگیا ہوں جہاں اعلیٰ ترین مسرتوں اور حیل پہل کے "
" تمام ذرائع کامل طور پر میرے قبضہ میں ہیں .... اگر میں نے موجودہ لمحات کی "
" قدر نہ کی تو پھر مجھے ایسا دوسرا موقع پھر کبھی نہ ملیگا۔ اس لئے میں نے شراب پینے کا "
" ارادہ کر لیا۔ لیکن مجھے محسوس ہوا کہ مرزا بدیع الزماں جو میرے سب سے بڑے بھائی "
" ہیں میں اُن کے ہاتھ سے اُن کے قصر میں شراب پینے سے انکار کر چکا ہوں اس لئے "
" اگر چھوٹے بھائی کے ہاتھ سے پی لی تو وہ ناراض ہو جائینگے "

" میں نے اپنی یہ مشکل جو درپیش تھی بیان کر دی۔ میرا عذر قبول کیا گیا۔ اور میں "
" کسی صحبت میں پھر کبھی شراب پینے پر مجبور نہ کیا گیا۔ بہر کیف یہ طے ہو گیا کہ "
" دوسری مرتبہ جب بدیع الزماں سے ملاقات ہو گی اور دونوں مرزا ملکر کرینگے۔

"تو میں شراب پی لونگا"[۵]

شراب نوشی کے متعلق جذبات اور وجوہ کی اس سے بہتر فہرست اور کیا ہوسکتی ہے۔ وہ بھی جب ایک مہذب باتجربہ کار اور گہری نگاہ رکھنے والا" دقوع کے کئی سال بعد خود بیان کرے۔

آخرکار یہ تجویز بابر کے ایک وفادار امیر قاسم بیگ کے کانوں تک پہونچ گئی۔ جو ۱۲ برس سے امورِ خانگی کا افسر تھا۔ اُس نے مرزاؤں کو شکایت نامہ لکھ بھیجا۔ اور بابر کی یہ عشرتِ تخیل کہ وہ آئندہ دعوت کے موقع پر بدیع الزماں کے یہاں شراب پیئے گا بالکل برباد ہوگئی۔

پھر بھی بابر اپنے امرائے دربار کی رغبت معلوم کرتا ہی رہا۔ چونکہ وہ عام صحبتوں میں شراب نہیں پیتا تھا اس لئے وہ بھی نہیں پی سکتے تھے۔ مگر وہ ہر مہینے یا چالیس دن تک اپنے گھروں کے دروازے بند رکھکر شاہانہ طریقہ سے شراب پیتے تھے اور اس طرح تلافی کرلیتے تھے۔ بابر نے اس موقع پر انھیں شراب پینے کی اجازت دیدی۔ اور اس خصوص میں ترقی کا یہ قدم اور بڑھا۔ کم سے کم اُس نے شراب جائز ضرور کردی۔

ہمیں معلوم نہیں کہ اُس نے حقیقتاً شراب نوشی کب شروع کی۔ کیونکہ اُس کے روزنامچہ میں ایک خلاصہ ہے جو سنہ ۹۱۴ھ (۱۵۰۸ء) سے سنہ ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ء) تک ایک بڑے زمانہ پر چھائی ہوئی ہے۔ ایک حوالہ سے (نوٹ صفحہ ۱۲ ملاحظہ فرمایئے) معلوم ہوتا ہے کہ شاید اُس نے سنہ ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) میں شراب پی۔ جب روزنامچہ سنہ ۱۵۱۹ء سے پھر

---

[۵] یادداشت کنگ جلد (۲) صفحہ ۱۱ - ۱۲

مسز بیورج "بابرنامہ" کے صفحہ ۳۰۲ پر اس عبارت سے یہ مطلب اخذ کرتی ہیں کہ بابر نے اس وقت سب سے پہلے شراب پی۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسے آرزو ضرور ہوئی لیکن اُس نے اعتراض کیا۔ غالباً اس عبارت سے جس پر انہوں نے (دیکھو الہ یادداشت کنگ جلد اول صفحہ ۵۵) یہ حاشیہ دیا ہے اُن کا اس نتیجہ پر پہونچنا صحیح ہے کہ بابر نے سب سے پہلے سمرقند میں شراب پی۔ اور وہ "شرابِ بخارا" تھی۔

یہ واقعہ تقریباً سنہ ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) میں کسی نہ کسی وقت ہوا ہے۔ جہاں آکر۔ بابر کے روزنامچہ کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ بابر اُس وقت سمرقند میں تھا۔ گو اُس کی موجودگی وہاں پہلی مرتبہ نہ تھی۔

(باقی)

فرض اور محبت

(افسانہ)

سلینر بری ایک نوجوان فوجی، غمگین اور غیر آسودہ اپنی بیوی کے کمرہ میں داخل ہوا۔ اسکی بیوی لوسی ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی کوئی نئی کتاب دیکھ رہی تھی۔ سلینر بری نے ایک خاموش غمگینی کیساتھ اپنی ٹوپی ایک طرف پھینکدی اسکی آہستہ سے گرنیکی آواز سے لوسی چونک پڑی چونکی تو اُس نے سلینر بری اپنے شوہر کو کھڑے دیکھا وہ مسکرائی۔ مگر سلینر بری اسیطرح غمناک اور خاموش کھڑا تھا۔

اب شام کا روشن ہلکا تاریکی میں تبدیل ہوچکا تھا جیسے ہی ایک بڈھے ملازم نے آکر لیمپ روشن کیا، لوسی اپنے شوہر کے پاس آکر بولی:۔

"کیوں پیارے آج خاموش کیوں ہو"

سلینر بری نے غمگین غور سے لوسی کی طرف دیکھا اور کئی لمحے تک دیکھتا رہا اس نے پھر نگاہیں جھکالیں اور وہ پھر غم کے سمندر میں ایک ٹوٹے ہوئے جہاز کی طرح بہنے لگا۔

لوسی نے پھر کہا:۔ "کیوں پیارے؟"

اور سلینر بری کے قریب آکر بیٹھ گئی، اُس نے اپنے تمتماتے ہوئے پہاڑی گلاب سے زیادہ سرخ رخسار سلینر بری کے ٹھنڈے رخساروں پر جھکادئے جو فرط یاس سے سرد ہوگئے تھے۔ سلینر بری اب بھی خاموش تھا۔ وہ تفکرات و غم کے ایک لامتناہی جنگل میں دھکے کھارہا تھا وہ مستقبل میں اپنی روح کو ایک آتشدان میں بدلا ہوا دیکھ رہا تھا اپنی ہستی کو حسرت و غم سے جلی ہوئی کی آندھیوں میں ایک لاش کی طرح محسوس کررہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ وہ خیال کررہا تھا کہ آج کے بعد مجھے لوسی کے محبت بھرے لبوں کا بوسہ ان لبوں کا بوسہ جو تبریز کی تفاحوں کیطرح سرخ اور شہد سے زیادہ میٹھے ہیں جو دوشیزگی کو مری ٹکڑے ہیں جنکی فضائیں گیسوؤں کا باغ ہے اور جنکی گود میں موسیقی کا مندر رنگینیاں ہے ہاں مجھے ان لبوں کا بوسہ آج کے بعد نصیب نہ ہوسکیگا مجھے آج کے بعد لوسی کی آنکھیں دیکھنی نصیب نہ ہوسکیں گی، وہ آنکھیں جنمیں محبت کی روشنی ہے عصمت کی چمک ہے۔ اور جو حیرت پن کی مستی ہے جنکی نرگس و بنفشہ کے کھیت ہیں جنکی بڑی بڑی پلکیں دیکھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے شمار کوئلیں نہر کے کنارے پانی پینے کیلئے جھک رہی ہیں یا فردوس کے کسی چشمہ کے کنارے حوروں نے اپنے بال بکھیر دیئے ہیں۔

وہ خیال کررہا تھا۔ لوسی کی گرم اور نازک ہستی سے آج کے بعد میں ہم کنار نہ ہوسکوں گا، اسکی لذت اور شراب سے بھری ہوئی شاعرانہ باتیں آج کے بعد میں نہ سن سکونگا اب ماہتاب کو دیکھکر پھر یہ کون کہیگا کہ فرشتہ شام کے لبوں سے نکلے ہوئے الفاظ تیر رہے ہیں!!

پھر یہ کون کہیگا شفق کو دیکھکر شام کے دھندلکو دیکھکر یہ کون کہیگا کہ حوروں کے رخسار چمک رہے ہیں۔ اور جنت کے کھڑکا سا عالم ہے۔

صبح ہی صبح مجھے اچھے اچھے میٹھے میٹھے اور ہلکی مستی میں ڈوبی ہوئی آواز سے محبت کے گیت کون سنائیگا جب میں کہیں جانے لگونگا تو میرے کوٹ پر

کون کرے گا، ایک عشرتی تبسم کے [illegible] مجھے ٹوپی اٹھاکر کون دے گا ؟ ہاں وہ ٹوپی اٹھاکر دینے کا وقت جو وقت میری روح کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی تبسم کا تاج پہنا رہی ہے۔ آج کے بعد پھر کبھی حاصل نہ ہو سکیگا۔ وہ انہیں خیالات میں تھا کہ لوسی نے پھر اپنا رخسار اُسکے گالوں پر رگڑا، وہ اپنے شوہر کی ناراضگی، یا غمگینی سے واقف ہونا چاہتی تھی، آخر وہ بولی

"کیوں پیارے کس سوچ میں ہو ؟ "

"لوسی"

سلیزبری نے جواب میں ایک غمگین محبت اور تاثر سے لبریز لہجہ میں کہ . . . . "میں بڑے گہرے سوچ میں ہوں، مگر کیا اُس سوچ کو تم پر واضح کرکے تمہارے پھول سے دلکو جھلسا دوں ؟ مگر . . . . وہ رکا اور اُس نے کہا۔ "مگر مجھے کہنا ہی پڑیگا۔ کیونکہ وہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے تم سے چھپاکر میں مکمل کرسکوں، وہ تو باتوں میں آخری بات ہے" لوسی بولی:۔ "باتوں میں آخری بات یہ کیا ہے ؟ آخری بات کیا ؟ اگر کسی دوسری لڑکی نے تمہارا دل لے لیا ہے اور تم اُس پر اپنی جان سمیت فدا ہو گئے ہو۔ تو یہ آخری بات کیا ہوئی ؟ تم اسطرح باتیں کر رہے ہو جیسے ملزم قتلگاہ میں جاتے وقت کہا کرتا ہے"

سلیزبری نے جو ابھی لوسی کی معصومیت پر دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ "کتنی معصوم ہے۔ کتنی بھولی ہے اسپر فطرت ظلم کر رہی ہے" ماں اپنی بیٹی کو قتل کر رہی ہے"، کہا:۔

"ہاں پیاری میں ایک ایسی ہی بات سے متاثر ہوں! تم سے کہدونگا تو تم رونے لگوگی۔

لوسی بولی:۔ "میں رونے لگونگی ؟ اچھا تم کہو تو مجھے رونا منظور"۔ سلیزبری نے کہا۔ "منظور ہے دائمی رونا" تو سنو" لوسی میں لڑائی پر بھیجا جا رہا ہوں۔ لڑائی پر" — لوسی نے سلیزبری سے لپٹ کر ایک استعجاب کیساتھ پوچھا۔ سلیزبری نے جواب دیا: "ہاں لڑائی پر"۔ لوسی نے اسکے بازوؤں کو زور سے پکڑ لیا۔ اور بار بار اس سے پوچھنے لگی اسے یقین نہ آتا تھا، وہ معصوم بچے کی طرح پوچھ رہی تھی۔ سلیزبری نے کہا:۔ "میں اس سے غمگین نہیں ہوں کہ میں میدان جنگ میں بھیجا جا رہا ہوں جہاں ایک دشمن کی گولی، دشمن کی سنگین، یا دشمن کی تلوار میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ یا ایک دشمن کا سینہ میری ان تمام چیزوں کا انتظار کر رہا ہوگا۔ لیکن میرا دل میرا کلیجہ اور میری رگ رگ لوسی تیری جدائی کے غم میں ہیتی جا رہی ہے، عارضی جدائی کے غم میں نہیں، فراق دائمی کے غم میں۔ میرا دل ایک ہی وقت میں تجھپر اور قوم پر نثار ہو جانے کے جذبے سے لبریز ہے کبھی فرض مجھ پر غالب آتا ہے اور کبھی محبت فرض پر"۔ یہ کہکر اُس نے ہاتھ کو ڈھیلا چھوڑا، سامنے رکھی ہوئی چھوٹی میز پر نقشہ جنگ کھل گیا:۔ اُس نے کہا

"میں یہاں جا رہا ہوں"،

یہ کہہ اُس نے ایک مقام پر انگلی رکھدی جہاں لکھا ہوا تھا "اطالیہ"۔ "اطالیہ" ؟ لوسی نے غمناک انداز میں کہا اتنی دور ہمارے شہر سے فرانس سے اتنی دور" ؟ ؟ !!

یہ کہکر وہ کسی سوچ میں پڑ گئی، سلیزبری کی انگلی نقشہ پر رکھی کی رکھی رہ گئی۔ وہ دونوں محبت کے طوفانی سمندر میں عنقریب غرق ہو جانیوالی کشتیوں کی طرح غوطے کھا رہے تھے۔ لوسی اس کے بازو پر سہارا دئے ہوئے ساکت تھی، وہ اسکے بازو سے ایسی چمٹی ہوئی تھی جیسے جاڑوں میں پرند پتوں میں چھپ جاتے ہیں وہ زخمی کبوتر کی طرح درخت زندگی کی شاخ سے لپٹی ہوئی تھی۔ سلیزبری کے سامنے لوسی تھی، وہ ایک مسلسل محویت کے ساتھ اپنے بعد مستقبل میں اُس کی حالت زار کا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا۔

لوسی کمرہ کے کونوں میں اُسے یاد کرکر کے رو رہی ہے۔ وہ دیکھ رہا تھا راتوں کو لوسی انگیٹھی کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ اسکی خوبصورت نیلی نیلی آنکھوں سے بڑے بڑے آنسو ٹپک کر آگ پر گر رہے ہیں۔ اسی طرح اس کے دل کے جلتے ہوئے توے پر محبت کے آنسو گر گر کر دھوئیں اور ہوا میں تبدیل ہو رہے ہیں:۔

لوسی کے سامنے سیلو بری تہا اور وہ سیلسزبری کی آیندہ زندگی کے خوفناک مناظر کی سیر کرنے پر مجبور تھی۔ اُسکا تخیل فطری طور پر ایک ہولناک میدان میں بگولے کی طرح اُڑا اڑا پھر رہا تھا۔

وہ دیکھ رہی تھی:۔

طبل جنگ بجا۔ فوجوں کی قطاروں نے اپنی اپنی جگہ سے حرکت کی دفعتًا آسمانوں کے گرنے کی سی آوازیں آئیں اور تمام فضا چنگاریوں شعلوں اور دھوئیں سے لبریز ہوگئی۔ ہوا میں انسانی ہاتھوں کے سروں کی اور گوشت کے ٹکڑے اڑتے ہوئے نظر آنے لگے اور تمام میدان جنگ ایک خونی دھوئیں کی چمنی بنکر رہ گیا"

وہ دیکھ رہا تھا:۔

لوسی صبح سویرے کھڑکی میں کھلے ہوئے وسیع دامن کی طرف جو اس کے مکان کے سامنے پہاڑوں کے سلسلے سے اوپر واقع ہے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑی ہوئی خاک میں اس کے داہمہ کو ابھرتا ہوا دیکھ رہی ہے۔ اسکی نگاہوں میں امید کی دنیا ہے اور اس کے آنسوؤں میں امید کی ایک ٹمٹماتی ہوئی شمع ہے اس کے دیکھنے میں انتظار ہے اور اس کے انتظار میں نری امید۔

وہ دیکھ رہی تھی:۔

آدمی پڑے سسک رہے ہیں فوج اُنہیں پاؤں سے کھوندتی ہوئی گذری چلی جا رہی ہو۔ سر پر ہوائی جہاز انسانی درندوں کے ہاتھ سے بنائے ہوئے مصنوعی عقاب تیر رہے ہیں جن کے اندر چیلوں اور عقاب سے زیادہ تیز اور خونخوار پنجے رکھنے والی خوفناک مخلوق بیٹھی ہوئی گولیوں اور آگ کی بارش کر رہی ہے۔ توپوں کے منھ سے دوزخ نکل رہی ہے۔ تلواروں کی دھاروں پر روحوں کے کراہنے کی خفیف اور نازک تریں آوازیں آ رہی ہیں۔ انسانوں کی چیخیں انسانوں کے دم توڑنے کی آوازیں فضا میں بلند ہو رہی ہیں۔ مگر توپوں کی گونج ان آوازوں کو دبا دیتی ہے اور آتش ناک گرج کی متواتر آوازیں انسانی آواز کو شکست دے رہی ہیں۔

وہ دیکھ رہا تھا:۔

لوسی کو ۹ مہینے گذر چکے ہیں۔ اُس پر وہ تکلیف گذر چکی ہے۔ جو ہر عورت پر گذرتی ہے۔ اسکی گود میں بنگلے کے رونق ایک گینہ سی، یاسمین کے پھولوں کا سا اک ڈھیر۔ گلاب کی پتیوں کی اک ڈھیری سی، ایک معصوم روح، ایک بالکل معصوم بچہ اس کی گود میں ہے وہ کبھی اسکی پیشانی چوم کر اسے ہنسا ہنسا کر ایک یقین کے ساتھ پوچھ رہی ہے۔

"کیوں؟ کیوں؟ تیرے ابا "کب آئینگے؟ وہ بہت سے ملکوں کی اچھی اچھی چیزیں لائینگے، بہت روپے لائینگے" اور پھر ایک ساتھ غمگین ہو جاتی ہے۔

وہ دیکھ رہا تھا۔

اب اس کی آنکھوں کے سامنے لوسی کی آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں ہیں اور بچے کی معصوم مسکراہٹ، تبسم اور آنسو۔ لوسی کی آنسوؤں میں ایک مکمل نا امیدی پائی جاتی ہے۔ وہ رو رہی ہے۔ اور روئے جاتی ہے۔ وہ کھڑی ہوگئی ہے اور کھڑکی کے پاس آگئی ہے۔ شام ہوچکی ہے آفتاب پہاڑیوں میں بیٹھا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاس ہی کسی پہاڑی میں غائب ہو جائے گا۔

ابھی کچھ کچھ، بہت ہی کم کم، خفیف سی روشنی ہے لوسی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور بچہ ماں کا منہ تکے جارہا ہے۔ لوسی اس کا انتظار کر رہی ہے۔ اس کے انتظار میں اب بھی یقین کی ایک جھلک اور امید کی دھندلی روشنی ہے۔ تاریکی زیادہ پھیل گئی۔ ایک بڑھیا نے اس سے اندر چلنے کو کہا، اس نے بچہ کو دیدیا۔ اور خود ستون پر ہاتھ مار کر رونے لگی، اس کے رونے میں اس کے قلب کا تمام ترجوہر آنسو بنکر بہہ رہا تھا، اس کے آنسو کی ہر بوند زندگی کا ایک سمندر تھی جو ضائع ہورہا تھا۔

وہ دیکھ رہی تھی:۔

فوج ایک شہر میں داخل ہوئی ہے اُسے فتح کرلیا ہے۔ پھر آگے بڑھی ہے۔ ایک میدان میں دشمن کی فوج اور اس کے شوہر کی فوج سے مقابلہ ہوا ہے۔ یکایک اس نے دیکھا کہ ایک چٹان کے کنارے اُس کا شوہر پڑا ہوا جان توڑ رہا ہے۔ اسکے ہاتھ میں قلم ہے اس کی روح لبوں سے نکلنے والی ہے۔ اور وہ ایک عجیب کرب کے عالم میں ہے۔ ایک کاغذ ہے اس پر "لوسی" لکھا ہوا ہے۔ اور نیچے کچھ اور نقوش ہیں۔

وہ دیکھ رہا تھا:۔

لوسی کے پاس اسکا دوست نما دشمن ہاگری کھڑا ہوا اس سے اظہار محبت کرنا چاہتا ہے۔ مگر لوسی ٹھکرا چلی گئی ہے۔

وہ دیکھ رہی تھی:۔

لفور کی لوسی ذرا آگے بڑھی۔ اُسنے دیکھا سیلز بری مرچکا ہے اور ایک خط اس کی سنگین میں چھدا ہوا ہے۔

لوسی کی تخیل نے اسکو ذہن میں جیسے ہی یہ تصویر پیدا کی اسکو لبوں سے بیساختہ ایک چیخ نکل گئی اور وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر سیلزبری سے لپٹ گئی۔ سلزبری نے ایک ساتھ چونک کر کہا:۔ ——— "ہاگری! ہاگری!! میں ابھی زندہ ہوں تو لوسی کو حاصل نہیں کرسکتا وہ میری محبت کو حاصل ہوچکی ہے اور اب محبت پر تیری ہوس تو کیا کوئی "موت" بھی فتح یاب نہیں ہوسکتی۔

لوسی بلا ساختہ اپنی چیخ کے تاثر کو بھول گئی۔ اور سیلزبری کے ان جملوں پر استعجاب کرتے ہوئے سیلزبری سے لپٹ گئی۔

محبت کا کام ختم ہوچکا فرض کی باری آئی۔ دوسرے دن فرانس کا بحری فوجی بیڑہ سمندر کے سینے پر تیرنے لگا۔ ساحل پر لوسی تھی اور اس کے آنسو:۔ (طبعزاد) (ساغر نظامی)

نسائیات

عورت سے

اے عورت ، اے بنتِ فطرت — اوّل مہدِ انسانیت
محل سرا کی زیب و زینت — اے سامانِ عیش و عشرت
اے مردوں کو جننے والی
اور کنیزک بننے والی
اے بےکس ، بےبس ، دُکھیاری — باپ کی لاڈو ، ماں کی پیاری
دل کی تنہا راج دلاری — شوہر کی معصوم پُجاری
اے بچّوں کو پالنے والی
گھر کے بوجھ سنبھالنے والی
اے صرفِ رنج و بربادی — اے مستقبل کی شہزادی
تو ہے محرومِ آزادی — سُن یہ خاص مبارکبادی
وقت نیا اَور آنے کو ہے
اب تیرا دَور آنے کو ہے

منظر صدیقی اکبرآبادی

سلف کی عورتوں میں علم کی اہمیت کی چند واقعے

حضرت امام ربیعہ

(مولانا میر نذر علی صاحب درد کاکوروی)

۱ - یہ حضرت امام مالک اور خواجہ حسن بصری کے اُستاد ہیں ان کی تعلیم کا نہایت ہی دلچسپ قصہ ہے۔ ان کے والد کا فروخ نام تھا فروخ بنی امیہ کی فوج میں ملازم تھے۔ اتفاق سے خلیفۂ دمشق کے حکم سے ایک اسلامی لشکر خراسان جانیوالا تھا اس سلسلہ میں فروخ کو خراسان جانے کا حکم ہوا چنانچہ انھوں نے بھی سفر کی تیاری کی بیوی کو ۳۰ ہزار اشرفیاں دیں اور خراسان چلے گئے۔ جسوقت یہ خراسان جارہے تھے اسوقت ان کے بیٹے امام ربیعہ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ فروخ تو خراسان چلے گئے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس کا ربیعہ نام رکھا۔

ان کے والد فروخ بہت عرصہ تک خراسان میں رہے۔ ۲۷ سال کے بعد جب فروخ خراسان سے واپس آئے تو اُن کے بیٹے ربیعہ اس قابلیت کو پہونچ چکے تھے کہ وہ اپنے وقت کے امام سمجھے جاتے تھے اور مسجد نبوی میں بیٹھکر درس دیا کرتے تھے جس وقت فروخ مدینہ منورہ (اپنے وطن) میں پہنچے تو انھوں نے اُس نیزہ سے جو ہاتھ میں لئے ہوئے تھے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا ربیعہ آواز سنتے ہی باہر آئے دروازہ کُھلا تو فروخ نے اندر جانے کے لئے قدم آگے بڑھایا۔

ربیعہ (باپ کو نہ پہچان کر) آپ کون صاحب ہیں؟ اور مکان کے اندر بے تکلف کیوں جارہے ہیں؟

فروخ۔ خدا کے دشمن تو بتا کہ تیرا یہاں کیا کام ہے؟ یہ تو میرا مکان ہے۔

اتنے میں پڑوس کے لوگ جمع ہوگئے۔ امام مالک نے دیکھا کہ میرے اُستاد ربیعہ سے جھگڑا ہو رہا ہے جلدی سے آئے اور نہایت ملایم الفاظ میں اس طرح متوجہ ہوئے۔

امام مالک۔ (فروخ سے) اگر آپکو اس جگہ ٹھہرنا منظور ہے تو دوسرا مکان حاضر ہے تشریف لائیے۔

فروخ۔ اجی جناب یہ میرا ہی مکان ہے میں فروخ ہوں۔

اتنے میں ربیعہ کی والدہ نے جو شوہر کی آواز سنی تو پہچان لیا اور کہا کہ آپنے دو یہ ربیعہ کے والد ہیں پھر کیا تھا۔ باپ بیٹے دونوں تصویر حیرت بنے ہوئے تھے گھر میں گئے ماں نے بیٹے کا تعارف کرایا باپ نے بیٹے کو خوب گلے لگایا یہانتک کہ انتہائی مسرت سے رو دئے پھر تھوڑی دیر میں کافی اطمینان کے بعد یہ گفتگو ہوئی۔

فروخ۔ میں ۳۰ ہزار اشرفیاں تم کو دے گیا تھا وہ کہاں ہیں؟
بیوی۔ گھر ہی میں موجود ہیں اطمینان رکھو۔
اتنے میں درس دینے کا وقت آگیا امام ربیعہ مسجد میں تشریف لائے اور درس دینا شروع کر دیا درس کا یہ عالم تھا کہ چاروں طرف سے شاگرد گھیرے ہوئے ہیں حضرت امام مالک اور حضرت امام بصری بھی حلقۂ درس میں موجود ہیں۔ اتنے میں فروخ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے گئے وہاں دیکھا تو ربیعہ مسند علم پر بیٹھے ہوئے عالمانہ شان سے درس دے رہے ہیں۔ فروخ کو دھوکا ہوا لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ سب نے کہا کہ آپ کے صاحبزادے۔ پھر کیا پوچھنا تھا بیٹے کو ایسی شان میں دیکھکر اتنے خوش ہوئے کہ جس کی انتہا نہیں تھوڑی دیر تک نہایت شوق سے اس دلچسپ منظر کو دیکھتے رہے اور جوش میں آکر کہا۔
"بے شک میرے بیٹے کو اللہ نے بلند مرتبہ عنایت فرمایا"
پھر خوش خوش گھر واپس آئے۔
فروخ۔ میں ابھی مسجد میں نماز پڑھنے گیا تھا وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ربیعہ درس دے رہے ہیں بڑے بڑے سن رسیدہ حلقۂ درس میں شریک ہیں ہزاروں کا مجمع ہے۔
بیوی۔ اب بتایئے آپکو بیٹے کی یہ شان پسند ہے یا ۳۰ ہزار اشرفیاں؟۔
فروخ۔ خدا کی قسم اس شان کا کیا کہنا میں ایسی شان کو پسند کرتا ہوں۔
بیوی۔ تو سنو! میں نے وہ اشرفیاں ربیعہ کی تعلیم میں صرف کر دیں۔
فروخ۔ پھر تو۔ خدا کی قسم میرا مال ضائع نہیں ہوا۔ الحمدللہ۔

۲۔ ہارون کے بیٹے امام یزید کی آنکھیں آخر عمر تک کمزور ہو گئی تھیں کہ کتاب دیکھ ہی نہ سکتے تھے لیکن ان کی لونڈی اس بلا کی قابلیت رکھتی تھی کہ کتابیں دیکھکر اپنے مالک کے لئے حدیثیں یاد کر لیا کرتی تھی۔
۳۔ مشہور حکیم ابن زہر اشبیلہ کی بہن اور بھانجی کو فن طب پر اتنا عبور تھا کہ اندلس کے خلیفہ منصور نے اپنے محلات کا علاج انھیں کے سپرد کر رکھا تھا علامہ حکیم ابن ابی اصیبعہ جو اپنے وقت کے بڑے مؤرخ گذرے ہیں انھوں نے ابن زہر کی بھانجی اور بہن کے متعلق لکھا ہے کہ یہ دونوں فن طب کی بہت بڑی عالم تھیں اور نسوانی امراض کے علاج میں تو انکو خاص ملکہ حاصل تھا۔
۴۔ علامہ ابن سماک کوفی نے ایکبار لیکچر دینے کے بعد اپنی کنیز سے پوچھا کہ میری تقریر کیسی رہی؟ تعلیم یافتہ قابل کنیز نے کہا کہ تقریر تو اچھی ہے مگر اتنی بات ہے کہ آپ ایک بات کو بار بار کہتے ہیں علامہ ابن سماک نے کہا کہ یہ صحیح ہے لیکن میں اس لئے ایسا کرتا ہوں کہ پہلی بار جو لوگ نہ سمجھے ہوں دوبارہ سمجھ جائیں اس نے کہا یہ سچ ہے مگر جبتک کم سمجھ والے اس کو نہ سمجھیں گے اس وقت تک سمجھنے والوں کے دل مکدر ہو چکیں گے۔
۵۔ عساکر کے صاحبزادے حافظ نامی جو دمشق کے مورخ گذرے ہیں انھوں نے مردوں کے علاوہ ۸۰ سے زیادہ عالمہ

عورتوں سے فن حدیث حاصل کیا تھا۔

ان تمام واقعات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلف میں طبقۂ نسواں دفن حدیث فن طب وغیرہ میں کسقدر ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ آج صرف مغربی علوم کو باعث فخر سمجھا جا رہا ہے لیکن میں اپنی بہنوں کو آگاہ کرتا چاہتا ہوں کہ جنہوں کی جنگ اور اس کے اثرات ہم کو دنیا کے ایک خونریز اور تاریک مستقبل کی دعوت دے رہے ہیں اس لئے اس کو ہمارے واسطے نمونۂ سلف بن جانا ہی ضروری ہے کہ جس میں مستقبل نزدیکی کارناموں کا راز مضمر ہے

عورت
اور آزادی کا مطالبہ

"لڑکیوں کو .... بند کمروں یا چار دیواری میں کیلنے کے لئے ہدایت کی جاتی ہے۔ غرضکہ شروع ہی سے لڑکی کے دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں ایک ایسی ہستی ہوں جسکے لئے قدرت کی کھلی ہوئی ہوا خدائی احکام کے مطابق ممنوع ہے .... خاص کر مسلمان لڑکیوں پر حد سے زیادہ پردہ کیوجہ سے ان کی صحت پر بڑا اثر پڑ رہا ہے"

میسز قریشی۔ ایل۔ ایم۔ پی۔ لیڈی ڈاکٹر (دہلی)

"رواجی پردہ نہ صرف مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں سدِ راہ ہو رہا ہے بلکہ اس جیسی بلا سے مسلمان خواتین کی صحت کو بھی غیر مسلم خواتین" کے "مقابلہ میں نمایاں نقصان پہونچ رہا ہے۔ رواجی پردہ کے مسئلہ میں مسلمانوں کی یہ انتہا پسند میلانیت مسلمان لڑکیوں کو جبری" تعلیم کے فیوض سے بھی محروم کر رہی ہے۔ یہ مسئلہ اسقدر اہم ہے کہ مسلمانوں کو اس طرف خاص توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔

میسز خدیجہ شفیع طلیب جی
صدر مسلم لیڈیز ایجوکیشنل کانفرنس۔ پونہ (دکن)

میں ہندوستانی پردہ کے نہایت خلاف ہوں اور اثر ہو یا نہ ہو مقبول ہو یا نہ مقبول میں اپنے خیالات کی ضرور اشاعت کرونگی .... اس ہندی پردہ نے ہمیں گمنام جاہل کر دیا ہے آپکی مچھلیاں بھی کسی کنج قتبانی سے سر کا گھڑا کھالیتی ہیں۔ مگر ہمیں اتنا بھی منع ہے۔ پردہ سے جھانکنا۔ کھڑکی سے دیکھنا گناہ۔ خدا ہم پر رحم کرے۔

اور جلدی مغربی لڑکی کی آزادی کا سادہ بیان بھی دکھا دے.................. مولویوں کا خوف نہ ملاؤں کا ڈر کہ ان کی مخالفت سے ضد بڑھتی ہے۔ اور ضد کے ساتھ کام مکمل ہوتا ہے۔ اگر وہ شدتِ پردہ کی کمی سے جلے جاتے ہیں تو اُن کی تنبیہ سے ہم کیوں جلیں؟ ۔ اُنکا غصہ سر آنکھوں پر۔ اُن کا احترام لازم۔ اب کرینگے وہی جو ضمیر کہے گا۔

نذر سجاد حیدر (مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) (مرقع)

تعلیم خواتین بقدر ضرورت ہونی چاہئے۔ اور انکو آزادی بھی دینے میں دریغ نہ کرنا چاہئے۔

وحید لکھنوی (مرقع)

اے ناشکر گذار، بے وفا، جابر و ظالم مرد!.................. شاید تجھے زندگی کی کامیابیوں میں مطلق اس امر کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ کہاں تک عورت کی ہمدردی اور استعانت کی محتاج رہی ہیں۔ مگر تیری بدولت اُس کی دنیا صرف گھر کی چار دیواری ہے۔ جس کو مکان اور قید کو پردے سے تعبیر کرنا ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے۔ یہ ہے اُس کی صحبت کا معاوضہ اور اُس کی رفاقت کا صلہ!

میاں انوار حسین۔ ایم۔ اے بھوپال۔ (دہلی)

ٹرکی کے علاقہ طرابزون میں پردہ کے متعلق حسب ذیل سرکاری اعلان ہوا ہے:۔

"عورتیں اپنے چہرے چھپا کر آسانی سے روزی نہیں کما سکتیں۔ اور برقع اوڑھنے والیوں کی صحت بھی اچھی نہیں رہتی اس کے علاوہ پولیس کو اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں دقت پیش آتی ہے۔ کیونکہ مجرموں کو اس دقیانوسی زنانہ ہیئت کے اختیار کر لینے سے روپوش ہونے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لہذا عورتوں کو ترک حجاب کے لئے دس دن کی مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد اگر کوئی خاتون کسی شاہراہ عام پر نقاب پوش نظر آئے گی تو گرفتار کر لی جائے گی۔"

(راتم القرلی)

وطن کی جوگن

رات کے سناٹے میں

(بلقیس جمال بریلوی)

جب بزم فلک پر تارے سے کچھ جھل مل جھل مل کرتے ہیں
جب چاند کی طلعت زا آنسو پھولوں کے کٹورے بھرتے ہیں

جب دنیا کے ہر منظر پر خاموشی طاری ہوتی ہے
جب بحر خواب کی موجوں پر دنیا کی کشتی ہوتی ہے

جب اوس کے قطرے چھپ چھپ کر کچھ چپکے چپکے روتے ہیں
جب سونیوالے نیند کی کیفیت میں غافل ہوتے ہیں

مخمورِ مناظر ہو ہو کر جب چاند بھٹکتا چلتا ہے
جب سیمابی لہروں میں اک نورانی منظر ڈھلتا ہے

جب گنگا کے آئینوں میں مہتاب درخشا ہوتا ہے
جب موجوں کے کاشانوں پر بلور برستا ہوتا ہے

جب پانی کی سیمائی میں کچھ تارے ڈگمگ کرتے ہیں
صحرا کے ریتیلے میداں جب جگمگ جگمگ کرتے ہیں

پتوں کے دھانی پردوں میں کچھ قطرے رقصاں رہتے ہیں
جب پھولوں کی رعنائی میں کچھ قطرے رستے بہتے ہیں

جب نور ابلتا رہتا ہے مہتاب کے عشرت خانوں سے
جب بادہ کوثر چھنتا ہے سیاروں کے پیمانوں سے

گہوارۂ حسن آرائی میں جب حسن کی دنیا سوتی ہے
حسرت کی غم افزائی میں جب عشق کی دنیا روتی ہے

جب بچے سوتے رہتے ہیں خاموش کنارِ مادر میں
جب مائیں نیندیں لیتی ہیں پُرکیف سکوں کی چادر میں

کہسار کے اس سناٹے میں جب طائر ساکت ہوتے ہیں
اس چوٹی پر میں ہوتی ہوں جس کے پتھر تک سوتے ہیں

ہوتی ہے گلے میں اک کفنی اور لب پر نالے ہوتے ہیں
جذبات کی غم افزائی سے سب منظر کالے ہوتے ہیں

میں عشق وطن کی دیوانی خاموشِ تحیر ہوتی ہوں
دل میرا نالے کرتا ہے میں چپکے چپکے روتی ہوں

اسوقت سریلے نغموں سے دل آہیں سی برساتا ہے
یہ گیت وفورِ حسرت میں پھر ساز فغاں بن جاتا ہے

اے عشق وطن کے دیوانو کیا تم بھی نیندیں سوتے ہو
آنکھیں کھولو اے متوالو کیوں وقت کی دولت کھوتے ہو

شعر الحرم

(مسلسل)

عرب اور انگریز شاعر عورتوں کا تذکرہ

عرب شاعر عورتیں

طال ما قد قلت
فی غیر کد املك
ان امرأ فادحاً
عن جوالی شغلك
سالغوی النفس اذ
لم یجب من سالك
لیت قلبی ساعة
صبوة عنك ملك

تو نے مدتوں بلا مشقت
اپنے مطالب حاصل کئے
بے شک ایک امر اہم
مجھکو میرے جواب سے مانع ہے
اب میں دل کو سمجھاؤں گی
کیوں کہ تو جواب دیتا ہی نہیں
کاش ایک ساعت میرا دل
تجھ سے چین پاتا

ام ثواب۔ عرب کے زمانۂ جہالت میں "قبیلۂ بنی ہزان" کی مشہور و معروف شاعرہ تھی یہ نظم جو ذیل میں اس کے کلام کے نمونہ کی طور پر دی گئی ہے۔ ایک عجیب چیز ہے اس نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ ام ثواب کے بیٹے نے اس کی کوئی خدمت نہیں کی اور اپنے بیٹے کی سرد مہری سے اثر گیر ہو کر ام ثواب نے یہ نظم کہی۔ کیسی عجیب تشبیہہ دیتی ہے۔ ام ثواب اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہتی ہے۔

ربیتہ وھو مثل الفرخ اعظمہ
ام الطعام تری فی جلدہ زغبا

میں نے اُسے پالا جبکہ وہ پرندے بچے کی طرح
بڑے معدے والا تھا

انگریز شاعر عورتیں۔

بیلی (میریا نا بیلی)، یہ شاعرہ ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوئی۔ اس کے شوہر کا نام الیگزنڈر تھا۔ بیلی کو دنیا کی سیر کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا چنانچہ ۱۸۱۵ء میں اس نے یورپ کے مشہور ملکوں کی سیر کی اور ایک پر از معلومات سفرنامہ ترتیب دیا۔ وہ پرتگال میں ۱۸۲۰ء تک رہی۔ بیلی نے پرتگال سے اپنی ماں کے نام جو مراسلت کی وہ قابل قدر گراں مایہ حیثیت رکھتی ہے۔ یہ دو جلدوں میں شائع ہوئے اور ملک میں ان خطوط کی بہت قدر کی گئی۔

۱۸۳۰ء میں مسز بیلی، مشہور شاعرہ اور سیاحہ نے دنیا پر آخری نگاہ ڈالی اور وہ فردوس کی زعفرانی وادیوں کی سیر کو روانہ ہو گئی۔

بیلی (لیڈی گرزل) مارچینٹ کے ہوم اول سر پیٹرک کی لڑکی تھی ایٹربرکیل جو برکشایر میں واقع ہے اس کا مولد ہے یہ ۱۶۶۵ء میں پیدا ہوئی۔ بیلی طبیعت نہایت شجیع اور جری واقع ہوئی تھی

حتی اذا آض کالفحال شذبه — یہانتک جب نرکیمونکی طرح بڑا ہوگیا اور

اباره ونفی عن متنه الکربا — اصلاح کرنیوالوں نے اسے درست کیا

انشا یمزق اثوابی یودبنی — تو میرے کپڑے پھاڑنے اور سرزنش کرنے پر تلگیا

ابعد شیبی عندی یبتغی الادبا — کیا بڑھاپے میں مجھے ادب سکھاتا ہے

انی لا بصرنی ترجیل لمته — مجھے اس کے بالوں کی آرائش اور

وخط لحیته فی خده عجبا — ڈاڑھی کے خط کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے

قالت له عرسه یوما لتسمعنی — اس کی عورت میرے ستانیکو کہتی ہے کہ

مهلاً فان لنا فی امنا ارب — جانے دے ہمیں ماں کی ضرورت ہے

ولو رأتنی فی نار مسعرة — کاش وہ کلیجے کی آگ محسوس کرتی اور پھر

ثم استطاعت لزادت فوقها حطبا — اسے سہارتی تو البتہ آگ میں ایندھن جھونکتی

ام خالد۔ عرب کے زمانہ جاہلیت میں دو قبیلہ نمیر ایک قبیلہ تھا ام خالد اسی قبیلہ کی عورت تھی علامہ مصری "زہر الآداب" میں مندرجہ ذیل دردناک مرثیہ ام خالد کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس مرثیہ میں ام خالد اپنے کسی عزیز دوست کا ماتم کرتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عزیز دوست جس نے اسکے نغمۂ غمگین میں موضوع بننے کی عزت پائی ہے پردیس میں ہلاک ہوا یا ہلاک کیا گیا اس مرثیہ کے تاثرات میں احساس کتنا پاکیزہ اور کسقدر فطری ہے۔ اور یہی خوبصورتی تو ہے جو عرب کے زمانہ جاہلیت کی شاعری میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ وہ کہتی ہے۔

اذا ما اتتنا الریح من نحو ارضه — جب اسکی زمین سے ہوا آتی ہے اور اسکی

اتتنا بریاه فطاب هبوبها — خوشبو لاتی ہے تو کیا ہی بھلی معلوم ہوتی ہے

احن لذکراه اذا ما ذکرته — جب اسکو یاد کرتی ہوں تو دل پیار کرتا ہے

حنت عبرات تفیض غروبها — اور آنسو دل کھولکے ڈھل بہتے ہیں

حنین اسیر نازح شد قیده — جیسے پردیس میں کوئی قید ہو اور وہ گرفتاری سے

واعوال نفس غاب عنها حبیبها — اسکا حبیب جدا ہوا اور وہ روئے

اس نے اپنے باپ اور اس کے دوستوں کے لیے عجیب عجیب کام کئے اور اس مردانہ بہادری کا ثبوت دیا جس کی ایک بہادر مرد سے اتنی توقع نہیں ہو سکتی۔

بیلی بھی اس شجاع اور بہادر فطرت کیساتھ ہی شاعرانہ دماغ بھی رکھتی تھی وہ شاعری سے بہت محبت رکھتی تھی اور وہ ایک نفیس شاعرہ تھی اس نے اپنے اور کمالات کے علاوہ شاعری میں بہت زیادہ شہرت حاصل کی اس کے تصنیف شدہ گیت اسکاٹ لینڈ میں بہت پسند کئے جاتے ہیں سنہ ۱۷۴۶ء میں اس کا انتقال ہوا اور مبرسیمش میں دفن ہوئی۔

پارسن (الزبتھ) سنہ ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئی اور سنہ ۱۸۷۳ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ پارسن ٹاوسٹاک کی رہنے والی تھی۔ حمدیہ اشعار اور بھجن نظم کرنے میں اسے کافی مہارت تھی۔

(نیشنل)

پادر (مارگرٹ) نظم و نثر نہایت اچھی لکھتی تھی سنہ ۱۸۶۷ء میں اس کا انتقال ہو گیا، پادر کے لکھی منظوم اور منثور کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں یہ کاؤنٹیس آف بلسنگٹن کے عزیزوں میں تھی کیڈر جو ایک مشہور مصنف کی حیثیت رکھتا تھا اسکی نظم کی بہت ستایش کرتا ہے (نیشنل)

اذکار و مباحث

پیمانہ کی آہستہ خرامی

"بیدمؔ نے خدا جانے کس سے کہا تھا" دھیرے دھیرے چل رے، او سنے دھیرے دھیرے چل" مگر کسی کا حکم سمجھ کر ان الفاظ کو پیمانہ کی آغوشِ سماعت نے جذب کرلیا۔ رفتار میں ایک آہستگی پیدا ہوئی۔ گردش میں ایک تموج پھیل گیا اور آہستہ خرام بلکہ محوِ خرام کے تعمیلی آثار رفتارِ پیمانہ پر مستولی ہوگئے۔ ساغر جس کی فطرت میں گردش، خمیر میں دورِ تسلسل اور ضمیر میں تحرک تموج تھا۔ رفعت خیال کی بلند چٹان پر کھڑا ہوا چلا رہا تھا۔

او دوشیزۂ ساحرہ — انگلیاں نہ روکنا
ورنہ عالم بقا — دور بھول جائیگا

آخر اُسکی یہ آواز دوشیزۂ ساحرۂ ادب نے سُن لی۔ اُسنے رُکتے رُکتے ایک وقارِ تبسم کے ساتھ مڑ کر دیکھا، شاعر کی عظمت و فطرت کو پہچانا اور اپنی پوری ساحرانہ قوتوں کے ساتھ لکھنے والی انگلیوں میں خون بنکر دوڑنے لگی۔

پھر وہی پیمانہ ہے۔ وہی ساغر ہے۔ وہی شراب ہے۔ صرف شراب کدہ بدل گیا ہے وہ اس لئے کہ تقسیمِ کیف کے لئے ایک ایسے مرکز کی ضرورت تھی۔ جہاں سے شراب کی کرنیں بخطِ مستقیم تمام ہندوستان پر رنگ برسا سکیں۔ عالم بقا۔ اور پیمانہ بہ اعتبار دَور دو چیزیں نہیں ہیں۔ دونوں مسلسل طلب ہیں اور دونوں غیر محدود۔ اس لئے پیمانہ کی خدمت طلبی،

"یعنی آگے چلینگے دم لیکر"

شکست عزائم پر کیوں محمول کی جائے۔ طلوع و غروب کیلئے اوقات مقرر ہیں بلکہ غروب ہزیمت آفتاب نہیں ہے۔ خزاں گلاب کی قیامت نہیں کہی جاسکتی۔ اور بہار کی تاریک راتوں میں اگر چاند طلوع نہ ہو تو چاند کے روشن مستقبل کو بہ نظر حقارت کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

اگر بہار ہمیشہ آغوش چمن کی زینت بنی رہے۔ اگر چاند ہمیشہ راتوں کو منور کرتا رہے، اگر نیساں ہمیشہ موتی برساتا رہے۔ اگر کلیاں ہر وقت کھلتی رہیں۔ اگر شفق ہر لحظہ شام کے دامنوں کو رنگین بناتی رہے تو نگاہیں تھک جائیں گی۔ تنوع مکدر ہو جائے گا مساوات کی بے کیفی نظر اور منظر دونوں پر طاری ہو جائیگی۔ اس لئے ہر حالت میں، ہر کیفیت میں، اور ہر سلسلہ میں ایک تبدیلی، ایک اختصار، اور ایک کمی لازمۂ فطرت ہے اور لوازم فطرت پر اعتراض کرنا قانون فطرت کی توہین صریح۔

پورے ایک سال کی خاموشی، گوناگوں تجارب کی پذیرائی اور صد ہا رنگ صداؤں کی شنوائی کی حامل ہے۔ بادہ کشانِ ادب کے خشک ہونٹوں سے "ہل من مزید" کے شکستہ نغمے ہواؤں میں گونج رہے ہیں۔ ذوقِ طلب ساقی کو میخانے تک کھینچ لایا ہے۔ سربمہر شیشے طاق سے اتارے جا رہے ہیں پیمانہ و سبو کائنات کی سرمستی کو پیام تازگی دینے کے لئے بے نقاب کر دیئے گئے ہیں۔ صبح سرور کا تیسرا پہر ہے۔ نماز عصر کے بعد اذان میکدہ بلند ہو چکی ہے۔ سرمستانِ ادب کو دعوت کیف ہے اور بادہ پرستان حقیقت کو صلائے عام ؎

ابرے کہ نمو یافت ز میخانۂ ما ٭ محدود نہ شد بہ حد مستانۂ ما
تا اہل حرم سلام مستی برساں ٭ دستار کر حد گذشت دور پیمانۂ ما

ترتیب میں تبدیلی

پیمانہ کی ترتیب سابق ناظرین پیمانہ کو ابھی یاد ہوگی تقسیم ابواب پیمانہ کا اختراع ہے۔ صرف اس لئے کہ ہر صنف کے مضامین علیحدہ علیحدہ ابواب میں منضبط رہیں۔ اور خلط مبحث نہ ہونے پائے۔ تقسیم تو اب بھی وہی ہے لیکن "معلومات" کی جگہ "افکار و مباحث" کو مستقل کر دیا ہے اور باب تفریح کا اضافہ کر کے "یاران میکدہ" کے متعلقات گوارا کو آئندہ نمبر سے کچھ اور وسعت دیدی ہے پہلے یہ التزام تھا کہ ہر نثر مضمون کے بعد ایک نظم ضرور ہوتی تھی۔ مگر بعض لوگوں کو یہ سلسلہ ناگوار گذرا تھا۔ اس لئے اب نظموں کے لئے کوئی تعین نہیں رکھا گیا ہے۔ تصاویر کا انتظام پہلے سے بہت زیادہ ہے۔ اگر موانعات حائل نہ ہوئے تو ہم آئندہ نمبروں میں مسٹر سمیع آرٹسٹ کے متعدد شاہکار شائع کر کے ناظرین پیمانہ کی نگاہوں کو دعوت دینگے۔ مسٹر سمیع ہماری خوش نصیبی سے دہلی میں موجود ہیں اور وہ ہم سے وعدہ کر چکے ہیں کہ ادبیات پیمانہ سے وہ اپنے آرٹ کو ضرور وابستہ کر دینگے۔

ساغر صاحب کا ڈراما "انسان" پیمانہ کے مسلسل نمبروں میں نکل چکا ہے۔ اور ابھی اُسکا سلسلہ سلسلۂ عالم کی طرح باقی ہے۔ لیکن ہم نے دانستہ اُسے روک لیا ہے۔ ایک ارادہ تو یہ ہے کہ "انسان" مکمل کتابی صورت میں چھپوا کر شائع کیا جائے۔ دوسرا ارادہ پیمانہ کے ناظرین کی رائے کے بعد پیدا کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اگر اصرار کی قوت زیادہ ہوئی تو "انسان" پھر پیمانہ میں شائع ہونے لگیگا۔

ساغر صاحب کی ڈائری

ساغر صاحب کئی سال سے اپنی ڈائری روزانہ لکھتے ہیں۔ بعض تاریخوں میں کچھ ایسے مباحث آجاتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں ہوتے۔ مسلسل ڈائری شائع کرنے کی پیمانہ میں گنجائش نہیں۔ اس لئے ہم نے سوچا ہے کہ دو صفحہ ماہانہ اُن کی ڈائری کے پیمانہ میں

ضرور شائع ہوں۔ یعنی ڈائری کی صرف وہ تاریخیں حذف و اختصار کے ساتھ شائع کی جائیں جن میں کوئی معاشرتی، علمی، یا مجلسی بحث آگئی ہو۔ یا جن میں جا بجا سرسری اشارے ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سلسلہ ضرور پسند کیا جائیگا۔ "ساغر صاحب اپنی ڈائری جس آزاد خیالی اور نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے لکھتے ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں

رسالوں کا معیار | ہندوستان سے ماہانہ رسالے بڑی کثرت سے شائع ہو رہے ہیں۔ لیکن اگر ان پر غور کیا جائے تو سب کا معیار ایک نظر آئیگا۔ ہر صفحہ پر "اخلاقی علمی تاریخی ادبی معاشرتی قومی طبی" اور خدا جانے کیا کیا لکھا ہوتا ہے اس طرح موجودہ رسالوں سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ یورپ میں ہندوستان سے زیادہ رسالے شائع ہوتے ہیں لیکن سب کے مقاصد میں فرق ہوتا ہے۔ اس سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ سب کی اشاعتیں زیادہ ہوتی ہیں اور کسی کو کمی اشاعت کا شکوہ نہیں ہوتا۔ اگر ہندوستانی رسائل بھی اپنا اپنا نصب العین اپنی قوت معلومات کے ماتحت جدا جدا قائم کر لیں تو مختلف مقاصد کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ اور یہ سوال مٹ سکتا ہے کہ ہندوستان میں کون سا رسالہ اچھا ہے اور کون سا برا ہے۔ اسی ضمن میں یہ کہہ دینا غالباً برمحل ہوگا کہ پیمانہ صرف "ادبی" رسالہ ہے۔ ادب جن علوم پر حاوی ہے صرف انہیں کے رشحات آپ پیمانہ میں ڈھونڈ سکتے ہیں۔

مشاعروں کی اصلاح | ہندوستان میں موجودہ مشاعروں کی اصلاح روز بروز زیادہ توجہ کے قابل ہوتی جاتی ہے مشاعروں کے انعقاد سے جو مقصد تھا وہ اب پورا نہیں ہوتا۔ فرقہ بندیوں اور جانب داریوں نے شاعروں کے ساتھ ساتھ مشاعروں کی منزلت کو بھی برباد کر دیا ہے مشاعروں کے صدر برائے نام یا برائے بیت ہوتے ہیں۔ جن کی صدارت سے مجلس کو کوئی فائدہ نہیں پہونچتا اس لئے مشاعروں کی اصلاح کے ساتھ اگر صدر مشاعرہ کے لئے بھی کچھ فرائض مرتب ہو سکیں تو دنیائے شاعری کے لئے کوئی بہتر صورت تنظیم پیدا ہو سکتی ہے میں انشاء اللہ آیندہ نمبر میں اس مسئلہ پر کسیقدر بسط سے لکھوں گا۔ اور امید ہے کہ دنیائے شاعری میری ہم نوا ہوگی میں خیال کرتا ہوں ایسے زمانہ میں جبکہ قومیت کا ہر شعبہ اور اخلاق و معاشرت کا ہر قانون اصلاح طلب ہے مشاعروں کی اصلاح کا سوال نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں ہے۔

سیماب اکبرآبادی



میری ڈائری کے چند ورق

از ۔ ساغر سیمابی نظامی



بہت صبح آنکھ کھلی تقریباً سورج نکلتے وقت تک چارپائی پر پڑا رہا طبیعت بے کیف تو نہ تھی لیکن یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی عشرت اپنا اثر دل ودماغ پر ڈال رہی تھی۔ محمد الیاس صاحب بھی صاحب شرکتِ ادبیہ تشریف لائے۔ کچھ کتابوں کا حساب تھا جمعہ کا وقت ہوگیا، کھانا کھایا، جامع مسجد میں نمازیوں کا ہجوم تھا اور میرے قلب میں تفکرات کی بھیڑ دماغ مختلف الجنون میں تھا۔ اسی عالم میں نیند آگئی۔ مجھے جب کوئی فکر ہوتی ہے نیند آجاتی ہے۔ ایک گھنٹہ کے بعد مولانا فصیح انصاری اور ان کے ساتھ مولانا انور فاضل ورئیس دیوبند اور مولانا مشرقی بہاری متعلم دیوبند آئے۔ میں تہ بند باندھے ہوا تھا۔ پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور قرونِ اولیٰ کے وحشی انسان کا ایک مکمل خاکہ معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دیر تک سیاسیاتِ ہند اور مولانا حبیب الرحمان صاحب مہتمم دیوبند کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد انور صاحب اور مشرقی صاحب نے غزلیں سنائیں۔ انور صاحب کی غزل میں زیادہ تغزل تھا اور مشرقی صاحب کی غزل میں رنگ جدید کی جھلک۔ انور صاحب کے متعلق میں خیال کرتا ہوں کہ وہ بہت جلد رنگ جدید اختیار کرلیں گے۔ میں نے بھی اپنی کئی غزلیں اور نظمیں سنائیں۔ مولانا انور صاحب نے متاثر ہوکر فرمایا کہ "آپ ایک ولی کا دل رکھتے ہیں"۔ مشرقی صاحب سے شروع اجرا کے پیمانہ سے خط وکتابت ہے۔ بہت خاموش اور مہذب انسان ہیں۔ مولینا انور میں ایک قسم کی صلاحیت تہذیب اور شرافتِ نفس کی روح جگمگاتی معلوم ہوئی۔ مولانا فصیح سے تصوف اور عرس وغیرہ پر ایک اجمالی بحث ہوئی۔ فصیح صاحب ان باتوں کے متعلق اچھا عقیدہ نہیں رکھتے۔ میں روحانیت اور متعلقاتِ روحانیت کو بہت ارفع سمجھتا ہوں۔ اور اس کا بالکل قائل ہوں کہ روح نظر سے چھپ جانے کے بعد بھی اپنے اثرات دنیا پر برساتی رہتی ہے اور بزرگانِ دین کی روحیں ضرور دنیا پر اپنا

اخور کیتی میں۔ ان کے جسم قبروں میں محفوظ ہیں اور وہ زندہ ہیں۔ یہ بہت پرانا عقیدہ ہے ممکن ہے کہ جدید روشنی اور نئے خیال کے لوگ اس کی قدر کریں۔

ایسے خیالات سے محظوظ، مسرور اور واقف ہوکر مولانا انور نے کہا کہ میں تو آتے ہوئے ڈر رہا تھا کہ آپ دونوں صاحب علیگڈھ خیال کے انسان ہوں گے مگر خدا کا شکر ہے کہ میرا خیال غلط نکلا۔ فصیح صاحب اسباب پر بہرے کہ نکالئے سوٹ۔ میں نے کہا مولانا "سوٹ" ہے اور خیالات سے کیا نسبت، میں سوٹ پہنتا ہوں بہت زیادہ مادیت کا قائل ہوں، دنیا کی ہر خوبصورتی میں کھو جانا چاہتا ہوں لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ میری یہ مادیت جو غالباً ولیوں اور نبیوں میں ضرور ہوگی۔ میری فطری روحانیت پر غالب آجائے گی۔ میں اکثر اپنے اشعار میں امکان سے زیادہ تجاوز کر جاتا ہوں لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ میں تاثرات عالیہ سے خالی ہوں اور یہ کہ میں خدا کے وجود کا قائل نہیں

خدا کا وجود یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہر زمانہ میں تمام مذاہب انسان، فرقے اور طبقے اس پر بحث کرتے رہے ہیں اور اس زمانہ میں جبکہ الحاد کا سمندر اپنی دوزخی موجوں کی فلک بوس دیواریں لیکر کائنات پر چڑھتا آ رہا ہے اور جس کے اثرات اسوقت تک اکثر اقوام عالم کی روحوں میں پیوست ہوگئے ہیں۔ اور اس عالم میں کہ انسانی ذہنیت ایک غلط فلسفیانہ استدلال کی عادی ہوگئی ہے اور اس زمانہ میں کہ انسان نے ایک بڑی حد تک مدارج ارتقا کو طے کر لیا ہے اور اس عصر میں کہ انسان ایک بڑی حد تک اسرار حیات پر قابو حاصل کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو چلا ہے۔ میں بغیر استدلال میں عرض کروں گا کہ "عورت" اور "شمشیر" کا خالق اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ وہی ہے جسے تمام دنیا خدا کہتی ہے

مجھے رنج ہوا کہ ہندوستان میں یہ مختلف خیال کے انسان مسلمان کیوں فرض کر لئے گئے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر زمانے میں یہ تفریقِ خیال رہی ہے لیکن کیا ہر زمانے میں انسان کی فطرت ایک ہی سی رہنی چاہیئے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ زمانہ بالکل اتحاد بین المسلمین کا ہے۔ تمام مسلمانوں کو ہم خیال ہو جانا چاہیئے مگر میرا ضمیر کہتا ہے کہ یہ اتحاد خیالات غیر ممکن ہے اسلام کو اگر کسی چیز نے نقصان پہونچایا ہے تو وہ نفاق اور افتراق خیالات ہے اور اگر کوئی شے اسلام کو کمزور کرنے میں کامیاب ہوگی تو یہی نفاق اور تضاد خیالی، میں سخت افسوس کرتا ہوں کہ علیگڈھ سے مکمل ہوکر نکلنے والے انسانوں نے اپنے خلاف اچھا خاصہ مواد فراہم کر لیا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے علیگڈھ کی فضا ملحد تو نہیں بناتی ساتھ ہی انہیں "ملا" بھی نہیں کہا جا سکتا مگر سادہ مسلمان ضرور ہیں اور مسلمان رہیں گے۔

راز یہ ہے کہ ہندوستان میں طریقۂ تعلیم اور انگریزی نصاب بھی ہمارے لئے غلط ہے ہم اپنے اسلاف اور اپنی حیثیت کے متعلق کچھ معلومات حاصل نہیں کر سکتے۔ اب ہمارے سامنے نپولین، وکٹر وغیرہ کی زندگیاں رکھی جاتی ہیں۔ اب اگر کسی کو استقلال کے متعلق کوئی قول بیان کرنا ہوگا تو وہ کہیگا "نپولین کہتا ہے"۔

یہ کوئی نہ کہیگا کہ "محمد کہتا ہے"۔ دنیا کے انسانِ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال نہیں دہرائے جاتے۔ بس اسی قسم کی شکایت بعض طبقوں کو مسلم یونیورسٹی سے ہے اور یہ بالکل بجا ہے۔

میں جدید نظام حیات کو ایک بڑی حد تک پسند کرتا ہوں اور حسب مقدور اسے قائم رکھتا ہوں، لیکن واللہ میں ملحدانہ جذبات و خیالات سے معرا ہوں، اور میرا مسلمان ہونا اس بات کی دلیل ہے۔ میرے مسلمان ہونے کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ آج عالم تجرد میں جس شدت کے ساتھ ایک عورت کے وجود کا متلاشی ہوں اسی طرح میرا ہاتھ ایک تلوار کی تلاش میں ہے، جس طرح میری آغوش ایک محبت ناک لڑکی

کے جسم کو کھاتے دیکھنا چاہتی ہے اسی طرح خدا کی قسم میری دونوں رانیں ایک ایسے گھوڑے کی آرزو کر رہی ہیں جس کے سُموں کی خاک کائنات پر چتر بن کر چھا رہی ہو۔" میری انگلیوں کی بھنچا ہوا اپنی گرفت میں ایک شمشیر کائنات گیر دیکھنا چاہتا ہے۔ میری جبین تمنا ہے کہ میں خدا کے خاص کے رسول کے لئے اس کے مذہب کے لئے اور ان سب کے بعد اپنے ضمیر کے لئے جس میں یہ نیک وجدان ہے جہاد کروں، جہاد کروں اور کسی خشک میدان میں میری لاش پڑی ہوئی ہو۔۔۔۔۔۔۔

۵ بجے تک خوب لطف رہا۔ پھر مولانا شوکت فہمی مدیر طاقت کے پاس گیا۔ مبلغ اعظم حضرت خواجہ صاحب مدظلہٗ کا ٹیلیفون آیا میں نے بھی سلام عرض کیا، جواب میں حاضر ہونیکا حکم دیا گیا۔ آج حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہے، اس لئے جلد ہی ادارۂ طاقت سے رخصت ہو گیا اور گھر پر آ کر مولانا سیماب اور ان کے برادر اپنے محترم صادق حسین صاحب کے ساتھ نظام الدین روانہ ہو گیا۔ چاند رات کے کنارے سے آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا، پرانا قلعہ آیا، دھندلی دھندلی چاندنی میں اس کا وقار شکستہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ موت کا شاعر قصیدۂ فنا پڑھ رہا ہے۔ چاند روتا ہوا معلوم ہوتا تھا اور فضا میں جو نمی سی تھی اس سے یہ برس رہا تھا۔ کہ کوئی خاموش کائنات آنسو بہا رہی ہے۔ اے خدا واقعی تو سب سے بڑا اور سب سے قادر ہے تو نے کیسے کیسے جبروت والوں کو مٹی کر دیا اے خدا تو فنا اور بقا کا مالک ہے تو نے ساغر موت کو انسان پر اوندھا کر دیا ہے تو نے ہستی کے میخانہ کی ہر سرمستی اپنے پنجۂ کیف میں مقید کر لی ہے۔ اے خدا اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو تو مجھے بھی فنا کر دے گا اور بے شک میں بھی مٹ جاؤں گا لیکن کیا اس میں کوئی بھی شک ہے کہ میں زندہ رہوں گا ہاں ہاں میں زندہ رہوں گا کیونکہ جسم کی بقا کا نام زندگی نہیں ہے روح کی بقا کا نام زندگی ہے "میری روح، میرا کام" میرا عمل ہمیشہ زندہ رہیگا۔ اے خدا تو میرے تخیل پر کیوں ہنس رہا ہے۔ کیا میں زندہ نہیں رہوں گا؟ کیا جب لوگ میرا شعر پڑھینگے تو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ میں زندہ ہوں ؟ ؟

"اے انسان موت زندگی کا دوسرا نام ہے"

تانگہ سرد ہواؤں میں اڑا چلا جا رہا تھا، گھوڑوں کی ٹاپوں سے ایک موسیقی پیدا ہو رہی تھی اور میں کتاب فنا کے اوراق الٹ رہا تھا ایک ساتھ عنوان بقا نظر پڑا۔ حضرت محبوب الٰہی کا روضہ مبارک نظر آیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ انسان مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ ہم مولانا اور صادق حسین صاحب سترہویں منزل میں پہونچے ایک شاہانہ شامیانہ تھا اور اجتماع عظیم، علی بخش واعظ قوال گا رہا تھا، تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ کوشش کی لیکن صدرنشین کے قریب نہ پہونچ سکے

یاران میکدہ

اُن تمام رسالوں کی قسم جو ہندوستان سے نکلتے ہیں، "یارانِ میکدہ" میں کبھی آپکی توہین نہیں کی گئی لیکن قلم کی بے اختیار جنبشیں اگر کبھی آپکا سراپا کھینچنے میں کامیاب ہوگئی ہیں تو اپنی بے ڈھبی کے صدقے میں اُن کی داد سے بخل نہ فرمایئے۔

"ورنہ پھر ہم کو بھی تصویر بنا آتی ہے"

کسی بھلے مانس افواہ گر نے اخباروں میں چھاپ دیا کہ سوئٹ روس نے ہندوستان کے لیڈروں کو ماسکو کے ایک جلسہ میں دعوت دی ہے۔ اخراجات حکومت روس کے سر ہونگے۔ جو عقلمند تھے وہ خاموش ہوگئے۔ کہ بھئی بلایا ہوگا دیکھا جائیگا۔ مگر ہمارے علامہ اکل و شارب حضرت مولوی میر حسین کشمیری اعلی اللہ توندہٗ سب سے پہلے جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہندوستان میں تو برسوں سے قحط پڑ رہا ہے۔ پھر کہاس گھی نے مرغن و چرب کھانوں سے بھی محروم کر دیا ہے اس کے علاوہ اب وقت ایسا نہیں ہے کہ دس آدمیوں کا کھانا ایک تو ناہضم کرے اور معاشیات پہ گراں نہ گذرے۔ ہم علامہ موصوف کو اس "خوان یغما" کی مبارکباد دیتے ہیں اور گورنمنٹ سے عرض کرتے ہیں کہ پاسپورٹ دیتے وقت اگر روانہ خوراک کی فہرست پہلے سے لیلی جائے تو بہتر ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ ہندوستانی توند کے لئے روس کا کولا و مشروبات کافی نہ ہو سکیں۔ اور مجلس ماسکو میں بھی "ہائے پیٹ" کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

ایکدن ہم ابھی سو کر اٹھے ہی تھے کہ ایک صاحب ہمارے پاس تشریف لائے اور آتے ہی کہنے لگے جناب میں فی البدیہہ شعر کہتا ہوں۔ ہم نے مُنسکراتے ہوئے کہا کہ ابھی ہم اُٹھے ہیں چائے بھی نہیں پی ہے۔ سماعت اور بصارت ابھی اچھی طرح نہیں جاگی ہے لیکن وہ تو پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے از راہ قدردانی کچھ سن لیجیے۔ خیر ہم اپنی جگہ ذرا سنبھلکر بیٹھ گئے شعر پڑھنے کی اجازت دی۔ اُنہوں نے نام پوچھا تو ہم نے کہا شعر سُننے میں نام پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر انہوں نے کہا کہ آپکے نام پر شعر کہوں گا خیر انہیں نام بتایا گیا ابھی ہماری زبان سے نام کا پہلا لفظ نکلا ہی تھا کہ شعر شروع ہوگیا کہنے لگے۔

عاشق مشتم عشق شفق لق کلقم شق ؞ الق نغم لق لق لق نقم لق ؞ اے طوطی بستان چمن ترمئی تو ؞ اندا دتم دمق دقن دن دتم دق ؞

ان کی زبان سے ہر لفظ پورے جوش کے ساتھ نکلتا تھا۔ اور ہم ہر بار ڈر کر سرک جاتے تھے کہ کہیں یہ شخص طمانچہ نہ مار دے۔ بہت کوشش کی مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ فی البدیہہ غزل کونسی زبان میں تھی۔ وہ سلام کرنے لگے۔ ہم نے کہا مولانا یہ فی البدیہہ شعر واقعی بہت مشکل ہوتے ہیں۔ آپکو تو کمال حاصل ہے۔ آپ تو شعر کہنے کی مشین معلوم ہوتے ہیں۔ کہنے لگے مشین یہ کچھ عرض کروں؟ ہم جواب کا انتظار کئے بغیر اٹھ بیٹھے اور ہم نے گھبرا کر فوراً ملازم کو آواز دی کہ غسلخانہ میں پانی رکھدو۔ حجامت کا سامان لاؤ۔ تانگے والے کو آواز دیدو۔ بارے مولانا فی البدیہہ ہمارا مطلب سمجھ گئے اور تھوڑی دیر خاموش ہو کر ہم سے رخصت ہونے لگے۔ ہم نے بغیر اظہار اجازت دیدی۔ اور زینہ کی کنڈی لگوا دی کہ کہیں مولانا مشتم مشق لکم پھر تشریف نہ لے آئیں

ہم نے کوشش کی کہ ہمیں بھی کارٹون بنانا آجائے۔ پہلے چپکے چپکے مشق کرتے رہے۔ دو چار مہینے کے بعد جب کہ اب ہم کارٹون بنانے میں مشّاق ہو گئے سیدھے ایک اخبار کے دفتر میں پہونچے اور کہا کہ جناب ہم آرٹسٹ ہیں ہمیں کوئی کام دیجئے' ایڈیٹر صاحب نے کہا کہ بہت اچھا ایک کارٹون بنا لائیے۔ اس میں یہ خیال ظاہر کیجئے کہ "ایک شخص ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہے، وہ کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے"۔ ہم بہت اچھا کہکر گھر چلے آئے۔ اب سوچنے لگے کہ ایڈیٹر صاحب نے تو بڑی اُلجھن میں ڈال دیا۔ "ظاہر و باطن" کا معمہ ہمیں بہت پریشان کر رہا تھا۔ آخر ہم نے قلم اٹھایا اور کاغذ پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنی شروع کریں اس کے بعد جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُنھیں ایڈیٹر صاحب کی تصویر بن گئی ہے۔ اب یہ بڑے حیران ہوئے کہ اگر یہ کارٹون لے گئے تو ایڈیٹر صاحب بہت خفا ہوں گے اور ہمیں دام وام کچھ نہ ملیں گے۔ تاہم ہمت کرکے پہونچے۔ اور اپنا کارٹون اُن کے سامنے میز پر رکھدیا۔ پہلے تو وہ بغور دیکھتے رہے۔ اس کے بعد بولے کہ میر صاحب آپ سے ایسی امید نہ تھی۔ ہم نے گزارش کی کہ اس میں ہماری کوئی خطا نہیں ہے۔ تصویر کچھ ایسی بن ہی گئی۔ آئندہ ایسا قصور نہ ہوگا۔ معاف فرمائیے لیکن ایڈیٹر صاحب بہت بگڑے ہمیں کارٹون کی کچھ اُجرت نہ ملی۔ اور گالیاں مفت میں کھائیں لیکن جب ہم نے گھر آکر سوچا تو معلوم ہوا کہ کارٹون بنانے میں ہمیں پوری مہارت حاصل ہو گئی ہے۔ اب اگر کوئی خواہ مخواہ ناراض ہو تو یہ اُسکی زیادتی ہے۔

اب کے علی گڑھ کے مشاعرہ میں ایک "ادبی بھانڈ" بھی آئے تھے۔ مگر اس کا افسوس رہا کہ اُنکی بھنڈئی کسی اسٹیج پر نہ ہو سکی۔ اور اُن سے یارانِ غرض نے "خانساماں" کا کام زیادہ لیا۔ کبھی کبھی وہ اسٹیج سے نیچے کسی کرسی پر بھی رونق افروز نظر آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بھالو کی کھال میں ایک انسانی ڈھانچ پھدک رہا ہے۔ ہم سے بھی ملاقات ہوئی۔ ہم نے پوچھا کہئیے بھانڈ صاحب اس مشاعرہ کی رُوداد لکھئیے گا۔ کہنے لگے قلم کو سردی لگ گئی ہے۔ ایسے ایسے کلام سُننے میں آئے کہ طبیعت کی ترنگوں پر اوس پڑ گئی۔ ہم نے کہا طرفداری اور ناانصافی کا الاؤ سُلگا لیجئے۔ بس سردی دور ہو جائیگی۔ اس پر وہ مسکرائے اور "انشاء اللہ" کہکر ریتیلے مینڈک کی طرح ایک طرف کھسک گئے۔

ایک چار سطری مکمل افسانہ

وہ کمرہ میں گھبرایا ہوا ایک دم داخل ہوا۔ ٹرنک کھولا۔ سُوٹ نکالا۔ پہنا۔ جُوتے باندھے۔ کالر لگایا۔ روپیہ جیب میں ڈالے۔ آئینہ دیکھا۔ اور کہنے لگا "اُس نے میری محبت میں زہر کھا لیا ہے۔ مجھے وہاں جلد پہونچنا چاہیئے۔ اب اُس کے بچنے کی مطلق امید نہیں ......" وہ یہ کہتا ہوا فوراً کمرہ سے باہر نکل گیا۔ لوگ حیران تھے۔ متردد تھے۔ پریشان تھے۔ کہ صرف ۵ منٹ کے بعد وہ واپس آگیا کپڑے اُتار دئے۔ اب اُس کے چہرہ پر ایک سکون تھا جس میں اطمینان تھا اور اتنی فرصت کبھی کبھی ہوتی تھی کہ وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گیا اور چینک میز پر کا ایک تازہ پرچہ اُٹھا لیا۔ اپنے ناول کا مطالعہ

الہامات

ہندوستان کے مشاہیر شعرا کے تازہ ارشادات

(۱)

حضرت مولانا رضا علی وحشتؔ

جگر لاؤں کہاں سے میں جو تاراج خزاں دیکھوں ۔ انہیں آنکھوں سے کل رنگینیاں دیکھی ہیں گلشن کی
گریباں کا مرے قصہ طلب ہے چاک ناکامی ۔ گل مقصود سے زینت ہوئی ہے کس کے دامن کی
وہ حسنِ خود نما مستور ہو کر اور چمکا ہے ۔ بنی ہے نور کی چادر یہ کیفیت ہے چلمن کی

مرہم کا ذکر کس نے عداوت سے کر دیا ۔ یہ کیا نئی خلش مرے زخم کہن میں ہے
ہیں اہل انجمن کی جو بے التفاتیاں ۔ خلوت کا لطف مجھکو تری انجمن میں ہے

(۲)

پروفیسر اکبر خاں اکبر حیدری

دونوں عالم ہیں گرد راہ تری ۔ اے ہمائے خیال کیا کہنا
تو مٹانے سے اور ابھر آئی ۔ حسرتِ پائمال کیا کہنا

اب میں سمجھا بلندیاں اپنی اے نشیب زوال کیا کہنا

~~~~~~~~

ممکن ہے عمرِ رفتہ کا کوئی نشاں ملے پوچھینگے آج گردشِ شام وسحر سے ہم
طے کر چکا ہے عنوانِ عمر منزلیں تمام آگاہ ہیں حقیقتِ لعل و گہر جوتے ہم
اے مرگ آ کہ زیست کا انجام دیکھ لیں اک وعدہ کر چکے ہیں جنابِ شُتر سے ہم

(۳)

ابوالفاضل جناب رازؔ چاند پوری

مائل بہ سکوں پھر ہے اب قلب کی بیتابی قربان ترے ساقی! اک جرعۂ سیمابی
گلہائے تمنا سے دامانِ نظر ہے تنگ بستانِ محبت کی اللہ رے شادابی
اب رازِ محبت کا اللہ نگہباں ہے اب رُخ سے نمایاں ہے جذبات کی بیتابی
مائل بہ ترنم کیوں پھر ساز نہ ہو دل کا ہر سانس کی جنبش ہے اک جنبشِ مضرابی
ہر نالۂ پُر غم اک رودادِ شبِ فرقت ہر آہ مجسم اک افسانۂ بے تابی
پردے میں شبِ غم کے کیا صبحِ قیامت ہے کیوں نیند نہیں آتی؟ کیوں ہے مجھے بیخوابی
امید کی کشتی ہے اُفتادہ سرِ ساحل دریائے تمنا ہے گہوارۂ پایابی

مجذوب کا سالک کا ہے فرق فقط باہم
ساغر ہی نہیں تنہا، ہے رازؔ بھی سیمابی

(۴)

حضرت مولانا سیمابؔ صدیقی الوارثی اکبرآبادی

جو انتظار ترا وجہِ اضطراب نہ تھا بتا بتا کہ میں کیوں آشنائے خواب نہ تھا
مری سکوں طلبی، بزمِ یار میں معلوم وہاں تو میرا تڑپنا بھی مستجاب نہ تھا
مآلِ اُنس سے جو میرا تباہ ہو جانا بجا کہا کہ تمہیں مجھ سے اجتناب نہ تھا
نہ پوچھ میری شبِ ہجر کس طرح گذری خیال میں بھی کہیں دَور دَورِ خواب نہ تھا
لطیف تر تھی تری انتظار کی تکلیف کہ اضطراب تھا اور پھر بھی اضطراب نہ تھا
مثالِ رنگِ زمانہ بدل گیا مجھ سے ترا مزاجِ وفا تھا مرا شباب نہ تھا
~~~~~~~~

یہ اتفاق تھا سویا تو نیند آہی گئی —— مجھے تو قبر میں بھی اعتبارِ خوابش تھا
عجب تکدرِ احساس تھا شباب کے بعد —— نظر اٹھی تو کسی چیز پر بشاشت تھا
یہ تیرا نقص طلب تھا کہ تو رہا تشنہ —— جو ڈھونڈتا تو یہ سارا جہاں سرابش تھا
نہ تھا وہ بھید کہ دنیا مجھے سمجھ لیتی —— میں خود بھی اپنے سمجھنے میں کامیاب نہ تھا

بخیر جلسۂ محشر گذر گیا سیماب
بھلا ہوا کہ میں سرگرم اضطراب نہ تھا

حضرت مولانا آزاد انصاری

اور

حضرت رعنا اکبرآبادی

سکونِ غم کی بےتابی عیاں معلوم ہوتی ہے —— نگاہِ یاس دل کی ترجماں معلوم ہوتی ہے
ہر ایک مایوس ہستی داستاں معلوم ہوتی ہے —— دل ناکاروں کی چپ بالکل فغاں معلوم ہوتی ہے

خموشی دردمندوں کی زباں معلوم ہوتی ہے

ترے آئینۂ حکمت کا جوہر بنکے دم لیگی —— یہ مخلوقات میں بہتر سے بہتر بن کے دم لیگی
نشانِ فخر و شانِ بندہ پرور بنکے دم لیگی —— مری ہستی تری رفعت کا مظہر بن کے دم لیگی

مری ہستی ترا رازِ نہاں معلوم ہوتی ہے

یہ آسائش کسی حکمت سے جینے دی یہ ناممکن —— مزے لیکر غمِ الفت سے جینے دے یہ ناممکن
اب اُسکی یاد اس صورت سے جینے دی یہ ناممکن —— اب اسکی آرزو راحت سے جینے دے یہ ناممکن

اب اسکی جستجو دامن کشاں معلوم ہوتی ہے

وہ ہنگامے دلِ ہنگامہ آرا سرد کر بیٹھا —— پھر اپنی گرمیٔ محفل کی دنیا سرد کر بیٹھا
پھر اپنا ذوق و شوقِ بےمحابا سرد کر بیٹھا —— تماشہ ہو کہ پھر بزمِ تماشا سرد کر بیٹھا

تمنا ہے کہ پھر آتش بجاں معلوم ہوتی ہے

نہ اب وہ خواہشِ درماں نہ اب وہ درد کا شکوہ —— نہ اب وہ زندگی کی دھن نہ اب وہ موت کا کھٹکا
نہ احساسِ غمِ امروز نے فکرِ غمِ فردا —— نہ اب وہ رغبتِ دنیا نہ اب وہ حسرتِ عقبیٰ

طبیعت بے نیازِ دو جہاں معلوم ہوتی ہے

عبورِ صد حدودِ امتحاں مشکل بہت مشکل ——— تمیزِ نقشِ پائے رفتگاں مشکل بہت مشکل
اب امیدِ نجاتِ کارواں مشکل بہت مشکل ——— رسائی اور بہ ایں تاب و تواں مشکل بہت مشکل

تباہی کارواں در کارواں معلوم ہوتی ہے

اسی جانِ جہاں جانِ جاں دلبر کا گھر ہوگا ——— یہ عالم جس جگہ ہوگا وہاں دلبر کا گھر ہوگا
غرورِ آزاد دل اُس بے نشاں دلبر کا گھر ہوگا ——— جو پوشیدہ ہے رعنا وہ مکاں دلبر کا گھر ہوگا

فضائے دل فضائے لامکاں معلوم ہوتی ہے

ساغر نظامی

فرشتے جمع کر لیں میرے اجزائے پریشاں کو
کہ پھر ترتیب دینا ہے حیاتِ دورِ انساں کو

شرارِ آہ آمادہ ہیں ان کو کھینچ لانے پر...
ستارے قید کرنے جا رہے ہیں ماہِ تاباں کو

جو آغازِ جنوں میں ایک تبسم بن کے آیا تھا
فلک پر وہ فرشتہ سے اُڑا میری گریباں کو

مرے دل کی ہر اک آسودگی بربادِ ماتم ہے
ذرا جنبش تو دے اپنی نگاہِ حسن ساماں کو

مجھے ہے اعتراف اپنی شکستِ طبعِ موزوں کا
کہ میں دیکھا کیا تیرے خرامِ شعر ساماں کو

مری ہر سانس سے روحانیت بیدار ہوتی ہے
میں سوتا ہوں تو کوئی چھیڑ دیتا ہے رگِ جاں کو

تری فرقت میں وہ رنگین نغمے گائے ہیں اس نے
کہ سجدے کر رہی ہے روح میری چشمِ گریاں کو

مرے آنسو میں گہرا رنگ ہے تیری محبت کا
چھپاتا ہوں میں خود اپنی نظر سے چشمِ گریاں کو

ہر اک نفس میں غم انجام ہے اسے دیکھنے والو
تمسخر سے نہ دیکھو پھول کے اوراقِ عریاں کو

محبت میں یہ ہے پروازِ جوششِ دل معاذاللہ
مرے آنسو کنگو دیتے ہیں تاروں کے گریباں کو

ہر اک ذرہ میں کروٹ لے رہی ہے روحِ موسیقی
یہ کس نے بھر دیا نغموں سے بربطِ زارِ انساں کو

ارے او فتنہ زا! او نغمہ گر! او بربطِ ناطق
نگاہِ مست سے جنبش نہ دے تارِ رگِ جاں کو

زمیں سے آسماں تک محفلِ ارواح قائم ہے
حقارت سے نہ دیکھو رقصِ ذراتِ پریشاں کو

کھجوروں کے درختوں پر پھر آئی چاندنی ساغر
پھر الہامِ شبی نے کر دیا روشن بیاباں کو

علامہ شبلی نعمانی مرحوم

سیرۃ النعمان	عہ/
سوانح مولنا روم	عہ/
حیاتِ سعدی	۸/
حیات حافظ	۸/
مقالات شبلی	عہ/
مجموعہ رسائل شبلی	۸عہ/
نظم شبلی	۸/
اورنگ زیب عالمگیر	۸/
آغازِ اسلام	۴/

قاری سرفراز حسین عزمی

سعید	۸/
سعادت	۸/
شاہد رعنا	۸عہ/
سزائے عیش	۱۰/
انجام عیش	۱۲/
سراب عیش	۱۰/

مولانا سیماب اکبرآبادی

سیرۃ الحسینؑ	۴عہ/
سیرۃ الکبریٰ	۱۲/
بنت الرسول	۶/
نے ستاں (مجموعۂ نظمیات)	عہ/
رازِ عروض	۴/
حالات حالی	۶/
چراغ داغ	۶/
جنت کے خطوط	۸/
سوانح نورجہاں	۸/
سوانح زیب النسا بیگم	۸/
معلّمہ	عہ/
زنانہ سیٹ (۱۰ کتابیں)	عہ/

مفتی شوکت علی فہمی میرٹھی

دولہا دولہن	۴عہ/
میاں بیوی	عہ/
زن و شوہر	عہ/
مرد و عورت	عہ/
عیش و نشاط	۴عہ/
دولہا دولہن کے خطوط	۸/
میاں بیوی کے خطوط	۸/

پروفیسر اکبر حیدری

رقاصہ	۸/
سیر خرابات	۶/
ایک عیاش کی ڈائری	۱۰/
عبرت کدہ	۱۲/
مسٹر بہاری بھرکم کی ڈائری	۴/
مسٹر مجنوں ۱۹۲۵ء میں	۴/
عورت ۱۹۷۵ء میں	۴/

خیام العصر حضرت ساغر نظامی

شبابیات	۴/
خمخانۂ برکات	۶/
سمندر کی خداوندہ	۳/
گناہ کی قیمت	۴/
کشمیر کا مستقبل	۲/
انسان (ڈراما)	عہ/

مولانا زاہد القادری

فلاح دین و دنیا	للعہ/
عروسِ حمرا	۶/
اسلامی زندگی	سے/
مذہبی معلومات	عہ/

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

فن تقریر	۸/
فن تسخیر	۸/
فن اشتہار	عہ/
روح انجنیری	۱عہ/
تعلیم موٹر	۸عہ/
معلومات تجارت	۶عہ/
اسرار صنعت	عہ/
مکمل مرغی خانہ	۴سے/
نیواڑی کی دوکان	۳/
حلوائی کی تعلیم	۸/
اقسام الطعام شاہجہانی	۴عہ/
الوان نعمت	۶عہ/
انگریزی کھانوں کی کتاب	۴عہ/
نیا باورچی خانہ	۶/
صابون سازی	۴/
بے داموں کا رنگریز	۳/
رسالہ گلٹ	۶/
علم المطابع	۸/
رسالہ فوٹو	۶/
رسالہ شطرنج	۳/
کلید فوٹوگرافی	۶/
رہنمائے ٹائپ پریس	۶/
فن باغبانی	۱۲/
مراسلات تجارت	۸عہ/
رسالہ کیمیا	۶عہ/
تاش کے شعبدے	۶عہ/
نغمۂ ستار	۱۰/
معلم ستار	۴/
قانون ستار	۱۲/
دائی	۶/
کلید ہارمونیم حصہ اوّل	۴/
ایضاً دوم	۸/
زندگی کی بہار	۴عہ/

طبّ و حکمت

مجربات شیخ الرئیس	۴عہ/
الفاظ الادویہ فارسی	۱عہ/
خزینۃ العلاج	۶عہ/
مجربات بوعلی سینا	۱۲/
تریاق استسقا	۸/
تریاق باد	عہ/
طب یوسفی	۸/
صحت النسا	عہ/
محافظ الصبیان	عہ/
خواص الادویہ انگریزی	۱عہ/
بستان المفردات انگریزی	۱عہ/
مخزن مفردات و مرکبات	۸عہ/
ایضاً حصہ دوم	۱۲/
ایضاً سوم	عہ/
ایضاً چہارم	۸/
گنجینۂ طب	۴عہ/
زبدۃ الحکمت	۴/
اختیارات بدیعی	۲عہ/
قرابادین قادری فارسی	۶عہ/
مفرح القلوب اردو	عہ/
اکسیر ثمینہ دو حصے	عہ/
پھوڑے پھنسی کا علاج	۵/
ماں بچہ کا علاج	۲/
گھوڑوں کا علاج	۱عہ/
اکسیر اسپ	۶عہ/
رسالہ جنین با تصویر	۸/
شفاء الاطفال	۸/
اتالیق عطاران	۴/
مخزن علاج حیوانی	۱۲/
مجربات حکیم حسام الدین حیدر	عہ/
مقالات احسانی	۸/
ہماری غذائیں	عہ/
بچوں کی دیکھ بھال	۸/